Part - 4

خطبات ارشدی

فضیلۃ الشیخ دکتور ارشد بشیر عمری مدنی سلمہ اللہ

Shaikh Dr. Arshad Basheer Umari Madani

Hafiz, Aalim, Faazil (Madina University, KSA),
MBA, PhD from Switzerland.
Founder & Director of AskIslamPedia.com
Chairman: Ocean The ABM School, Hyd.
www.askislampedia.com | www.abmqurannotes.com | www.askmadani.com
+91 92906 21633 (whatsapp only)

فہرست

میاں بیوی کے جھگڑوں کو پیار میں کیسے بدلا جائے ؟

2 ....

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی سے آٹھ اسباق 58

حج مبرور گویا کہ ایک نئی زندگی................ 125

فریضہ حج سے حاصل ہونے والے دواہم اسباق ... 181

میاں بیوی کے جھگڑوں کو پیار میں کیسے بدلا جائے ؟

تمہید

ازدواجی تعلقات میں بگاڑ کا اہم سبب: حقوق کی عدم ادائیگی

شوہر اور بیوی میں جدائی شیطان کا محبوب مشغلہ

ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے شرعی اور نبوی ﷺ ہدایات

پہلا پوائنٹ :- شوہر بیوی کے نان ونفقہ کا انتظام کرے

دوسرا پوائنٹ: شوہر اور بیوی ایک دوسرے کا خیال رکھیں

تیسرا پوائنٹ: شوہر اور بیوی ایک دوسرے کا تعاون کریں

چوتھا پوائنٹ: شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے لیے زینت اختیار کریں

پانچواں پوائنٹ: شوہر اور بیوی آپس میں ایک دوسرے کے لیے وقت نکالیں

شوہر اور بیوی کے جھگڑوں کو ختم کرنے کے ذرائع اور حل

پہلا حل: ابتسامۃ (مسکراہٹ)

دوسرا حل: اعراض (نظر انداز کرنا)

تیسرا حل: حوار (اچھی گفتگو)

چوتھا حل: خیر خواہی

پانچواں حل: نصیحت

بیوی کی اصلاح کے چار مراحل

ضرب کا مفہوم

چھٹا حل: مسئلے کی تحقیق

ساتواں حل: انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا

آٹھواں حل: دفاع

تمہید:

اللہ رب العالمین نے نکاح کے رشتے کو نہایت پاکیزہ اور محبت سے بھرپور بنایا۔اسی لیے میاں بیوی کو ایک دوسرے کا جوڑا، شریک حیات، محبت و مودت، ہمدردی و غمخواری کا ساتھی، اور لباس قرار دیا، چنانچہ اس رشتے کی مضبوطی کے لیے دونوں کو محبت و الفت کے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔رب کائنات کا فرمان ہے:

وَمِنْ ءَايَـٰتِهِۦٓ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا لِّتَسْكُنُوٓا۟ إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَـَٔايَـٰتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ۔

اور اس کی نشانیوں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے تاکہ تم ان کی طرف آرام پاؤ اور تمہارے درمیان محبت اور رحمت رکھی۔بے شک اس

میں غوروفکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ [سورۃ الروم 21:]

لیکن آج جہاں زندگی کے دیگر شعبوں میں ہم کمزوری اور ناکامی کے شکار ہیں وہیں عائلی اور خاندانی معاملات میں بھی دین کی شفاف تعلیمات سے دور رہنے کی وجہ سے متعدد مسائل میں مبتلا ہیں بالخصوص ازدواجی زندگیاں انتشار کا شکار ہیں، میاں بیوی کے درمیان محبت و الفت کے بجائے نفرت و عداوت اور معمولی سی بات پر لڑائی جھگڑے عام سی بات ہے یہاں تک کہ اب معاملہ بآسانی طلاق اور خلع تک پہنچ جاتا ہے اس کے کئی ایک اسباب ہیں جن میں سے ایک اہم سبب ہے: میاں بیوی کا ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کرنا۔ اگر میاں بیوی ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں گے تو یہ اختلافات کافی حد تک حل ہو سکتے ہیں۔

اس موضوع پر راقم السطور نے ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا نام ”علوم الاسرۃ“ ہے جس میں شوہر اور بیوی کے حقوق اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کے لیے ہدایات بھی مذکور ہیں [یہ کتاب ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور آپ اس کو آسک مدنی ڈاٹ کام اور www.abmquranotes.com Askmadani.com پر فری ڈاؤن لوڈ کر سکتے ہیں ان شاء اللہ۔]

انٹرنیٹ پر ایک آرٹیکل دستیاب ہے، دورانِ مطالعہ ہاتھ لگا تو اس میں ایک سروے کا ذکر ہے جہاں شوہر اور بیوی کے اختلافات کی وجوہات پر لوگوں کی رائے لی گئی ہے اور لوگوں کو ووٹ کرنے کے لیے دس اسباب پر مشتمل دس کالمس بنائے گئے ہیں اس میں اکثر لوگوں کی رائے یہ تھی کہ شوہر اور بیوی کے اختلافات اور جھگڑوں کا اہم سبب ”انا“ یعنی

"ego" انانیت ہے کیونکہ انانیت انسان کے اندر تکبر اور عُجب پیدا کرتا ہے جو کہ ازدواجی زندگی کے لیے باعثِ نقصان ہے۔ جب یہی ایگو ego اور شیطان دونوں انسان میں یکساں جمع ہو جاتے ہیں تو بہت سارے فسادات رونما ہوتے ہیں۔ آج ہم بہت ساری چیزوں سے پناہ مانگتے ہیں جیسے دجال کے فتنے، عذاب قبر، عذابِ جہنم وغیرہ لیکن ہمارا نفس جو ہمارے ساتھ چوبیس گھنٹے لگا ہوا ہے اس کی شرارتوں سے ہم بہت کم پناہ مانگتے ہیں یہی وہ نفس ہے جو انسان کو تکبر، حسد، جلن ،غصہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور انسان کو شہوات کا پجاری بنا کر اسے بھرے بازار میں ذلیل ورسوا کر دیتا ہے اسی لیے نبی کریم ﷺ ہمیشہ منبر پر نفس کی شرارتوں سے پناہ مانگتے تھے ،فرماتے تھے:

"وَنَعُوذُبِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِأَنْفُسِنَا،وَمِنْ سَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا "

ترجمہ:"اے اللہ ہم اپنے نفوس کی شرارتوں اور اپنے برے اعمال سے تیری پناہ مانگتے ہیں۔" (سنن ابی داوٗد:2118)

قرآنِ مجید میں بھی ہمیں یہی تعلیم دی گئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ (1) مَلِكِ النَّاسِ (2) إِلَـٰهِ النَّاسِ (3) مِن شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ(4) الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِالنَّاسِ (5) مِنَ الْجِنَّةِوَالنَّاسِ (6)"

ترجمہ:"آپ کہہ دیجئے! کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں [1] لوگوں کے مالک کی (اور) [2] لوگوں کے معبود کی (پناہ میں)[3] وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے [4] جو

لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے [5] (خواہ) وہ جن میں سے ہو یا انسان میں سے [6] ۔"(سورۃ الناس:6-1)

اس سورت میں دیکھیں اللہ تعالیٰ کے تین عظیم الشان ناموں کے وسیلہ سے دلوں کے وسوسوں سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی جارہی ہے۔

شوہر اور بیوی میں جدائی ڈالنا شیطان کا سب سے پسندیدہ عمل ہے:

قبل اس کے کہ ہم اس موضوع میں داخل ہوں ہمیں اس سلسلہ میں یہ بنیادی بات معلوم ہونی چاہیے کہ میاں بیوی میں اختلاف اور تفرقہ ڈالنا شیطان کا پسندیدہ عمل ہے جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ إِبْلِيسَ يَضَعُ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ، ثُمَّ يَبْعَثُ سَرَايَاهُ، فَأَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَنْزِلَةً أَعْظَمُهُمْ فِتْنَةً، يَجِيءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُولُ: فَعَلْتُ كَذَا وَكَذَا، فَيَقُولُ: مَا صَنَعْتَ شَيْئًا، قَالَ ثُمَّ يَجِيءُ أَحَدُهُمْ فَيَقُولُ: مَا تَرَكْتُهُ حَتَّى فَرَّقْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ امْرَأَتِهِ، قَالَ: فَيُدْنِيهِ مِنْهُ وَيَقُولُ: نِعْمَ أَنْتَ"

ترجمہ: "بے شک ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور پھر وہ اپنے چیلوں کی فوج (لوگوں کے درمیان فتنہ ڈالنے کے لیے) بھیجتا ہے، اور جو ان میں سب سے زیادہ (لوگوں میں) فتنہ ڈال کر آتا ہے وہ ابلیس کا سب سے قریبی ہوتا ہے، ان میں کا ایک شیطان آکر کہتا ہے کہ میں نے ایسا ایسا کیا۔ ابلیس اس سے کہتا ہے کہ تونے کچھ بڑا کام نہیں کیا، پھر اس کے بعد ان میں کا ایک اور شیطان آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ایک آدمی کے پیچھے پڑا اور اس کا پیچھا نہیں چھوڑا یہاں تک کہ میں

نے اس کے اور اس کے بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیا ۔آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: پھر ابلیس اس شیطان کو اپنا قریبی بنا لیتاہے اور کہتا ہے ہاں تو نے ہی کام کیا۔(صحیح مسلم:2813)

اسی لیے علمائے کرام کہتے ہیں کہ شوہر اور بیوی اگر دونوں اپنے معاملات کو لے کر زیادہ دیر تک گفتگو discussion کرتے ہوئے بیٹھیں یا ان کے دل و دماغ میں نزغات یعنی منفی خیالات negative thoughts آنے لگیں تو انہیں تعوذ یعنی "أعوذ بالله من الشيطان الرجيم" بار بار پڑھتے رہنا چاہیے تا کہ وہ شیطان کے فتنوں سے بچ سکیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ فصلت میں فرمایا ہے:

"وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ"

ترجمہ:"اور اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے تو اللہ کی پناہ طلب کرو یقیناً وہ بہت ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔" (سورۃ فصلت:36)

ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے شرعی اور نبوی ﷺ ہدایات

لہذا ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لیے نبی کریم ﷺ کی سیرت سے ہمیں بہت ساری ہدایات اور رہنمائیاں ملتی ہیں جن میں بعض کو آئندہ سطور میں قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

1۔پہلا پوائنٹ :شوہر بیوی کے نان ونفقہ کا انتظام کرے:۔

بیوی کے کھانے پینے، رہنے سہنے، پہننے اوڑھنے کی ذمہ داری شوہر پر ہے۔شوہر اپنی استطاعت کے مطابق بیوی کی

تمام جائز ضروریاتِ زندگی کا خیال رکھے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا"

ترجمہ: "اور جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کا روٹی کپڑا ہے جو مطابق دستور کے ہو۔ ہر شخص اتنی ہی تکلیف دیا جاتا ہے جتنی اس کی طاقت ہو۔" (سورۃ البقرۃ: 233)

اللہ سبحانہ وتعالی نے سورۃ الطلاق میں فرمایا:

"أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ "

ترجمہ: "تم اپنی طاقت کے مطابق جہاں تم رہتے ہو وہاں ان (طلاق والی) عورتوں کو رکھو اور انہیں تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ۔" (سورۃ الطلاق: 6)

اس کے بعد والی آیت میں فرمایا:

"لِيُنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللّٰهُ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا"

ترجمہ: "کشادگی والے کو اپنی کشادگی سے خرچ کرنا چاہیے اور جس پر اس کے رزق کی تنگی کی گئی ہو اسے چاہیے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھا ہے اسی میں سے (اپنی حسب حیثیت) دے، کسی شخص کو اللہ تکلیف نہیں دیتا مگر اتنی ہی جتنی طاقت اسے دے رکھی ہے، اللہ تنگی کے بعد آسانی وفراغت بھی کر دے گا۔" (سورۃ الطلاق:7)

2۔ دوسرا پوائنٹ: شوہر اور بیوی ایک دوسرے کا خیال رکھیں:-

شریعت نے میاں بیوی کو ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے اور ایک دوسرے کا خیال رکھنے کا حکم دیاہے۔جیساکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي"

ترجمہ:"تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہوں۔" (سنن الترمذی:3895)

أنَّ جَارًا لِرَسولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عليه وَسَلَّمَ فَارِسِيًّا كانَ طَيِّبَ المَرَقِ، فَصَنَعَ لِرَسولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عليه وَسَلَّمَ، ثُمَّ جَاءَ يَدْعُوهُ، فَقالَ: وَهذِه؟ لِعَائِشَةَ، فَقالَ: لَا، فَقالَ رَسولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عليه وَسَلَّمَ: لَا، فَعَادَ يَدْعُوهُ، فَقالَ رَسولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عليه وَسَلَّمَ: وَهذِه؟ قالَ: لَا، قالَ رَسولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عليه وَسَلَّمَ: لَا، ثُمَّ عَادَ يَدْعُوهُ، فَقالَ رَسولُ اللهِ

صَلَّى اللَّهُ عليه وَسَلَّمَ: وَهذِه؟ قالَ: نَعَمْ، في الثَّالِثَةِ، فَقَاما يَتَدَافَعَانِ حتَّى أَتَيَا مَنْزِلَهُ.

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک ہمسایہ تھا جو کہ فارسی تھا وہ شوربہ بہت عمدہ بناتا تھا اس نے رسول اللہ ﷺ کے لیے کھانا بنایا پھر وہ آپ ﷺ کو بلانے کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا (حضرت عائشہ ؓ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) اور ان کی دعوت بھی؟ تو اس نے کہا نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں (یعنی میں بھی دعوت میں نہیں آتا) وہ دوبارہ آپ ﷺ کو بلانے کے لیے حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور ان کی دعوت بھی؟ اس نے کہا نہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں بھی نہیں آتا پھر وہ تیسری مرتبہ آپ ﷺ کے بلانے کے لیے حاضر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور ان کی دعوت بھی؟ تو تیسری مرتبہ اس نے کہا ہاں ان کی دعوت

بھی پھر وہ دونوں (حضرت عائشہؓ اور رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور چلے یہاں تک کہ اس کے گھر میں آ گئے۔(صحیح مسلم:2037)

زوجین کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کو وقت دیں ایک دوسرے کا خیال رکھیں اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نرم لہجے میں گفتگو کریں ایک دوسرے کی پریشانیوں کو سنیں اور انہیں حل کرنے کی کوشش کریں۔

3۔ تیسرا پوائنٹ :شوہر اور بیوی ایک دوسرے کا تعاون کریں:-

شوہر اور بیوی دکھ درد میں ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھی بنیں، ایک دوسرے کی تکلیف کو دور کرنے کی کوشش کریں۔بیوی تکلیف میں ہو تو شوہر اس کی مدد کرے اور شوہر تکلیف میں ہو تو بیوی اس کی تکلیف کو دور کرنے کی کوشش

کرے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ابتدائے نزولِ وحی کے وقت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر پریشان ہوگئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا نے اس مشکل گھڑی میں آپ ﷺ کا ساتھ دیا اور آپ ﷺ کو تسلی دے کر آپ کی ڈھارس بندھائی۔ اور پورے Confidence کے ساتھ آپ کو سمجھایا کہ اللہ آپ کو ہرگز ذلیل ورسوا نہیں کرے گا کیونکہ آپ بلند اخلاق کے مالک ہیں۔ اس سے دونوں کا آپس میں تال میل اور Understanding بڑھتی ہے۔

4۔ چوتھا پوائنٹ: شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے لیے زینت اختیار کریں:-

میاں بیوی گھر میں ایک دوسرے کے لیے زیب وزینت اختیار کریں کیونکہ اس سے دونوں کے درمیان محبت بڑھتی ہے۔ آج بعض مرد حضرات گھروں میں بڑی پراگندہ

حالت میں رہتے ہیں لیکن جب گھر سے باہر نکلتے ہیں تو سوٹ بوٹ پہن کر سینٹ لگا کر نکلتے ہیں، یہی حال عورتوں کا بھی ہے جب وہ گھر میں رہتی ہیں تو پراگندہ حالت میں رہتی ہیں لیکن کسی تقریب یا فنگشن میں جانا ہو تو مکمل سج دھج کر نکلتی ہیں ۔ہمیں چاہیے کہ ہم گھروں میں بھی بن سنور کر رہیں ۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرماتی ہیں:

" كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ فِي طُهُورِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَتَنَعُّلِهِ."

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا ہم کو شعبہ نے خبر دی اشعث بن سلیم کے واسطہ سے، انہوں نے مسروق سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے، آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام کاموں میں

جہاں تک ممکن ہوتا دائیں طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ طہارت کے وقت بھی، کنگھا کرنے اور جوتا پہننے میں بھی۔ (صحیح بخاری:426)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ گھر میں اپنے لباس، اپنی وضع قطع کا اہتمام کیا کرتے تھے اور محدثین کرام کا اس حدیث کو ذکر کرنے کا ایک اہم مقصد یہ بتانا بھی ہے کہ شوہر اور بیوی کو جمال اور زیب وزینت کا اہتمام گھر میں بھی کرنا چاہیے۔

آج بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پھٹے پرانے کپڑے پہننا اور پراگندہ بال رکھنا تقوی کی علامت ہے۔ یہ بالکل غلط سوچ ہے، اسلام ہمیں زیب وزینت اور خوبصورتی کو اپنانے کی تعلیم دیتا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ»

ترجمہ:"جس کسی کے بال ہوں اسے چاہیے کہ وہ اپنے بالوں کو اچھا بنا کر رکھے۔"(سنن ابی داؤد:4163)

الغرض نبی کریم ﷺ زیب وزینت اختیار کرتے تھے: آپ صوف، کتان، قطن اور یمن کی بنی خاص چادر پہنتے تھے۔ "وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ"ترجمہ:"اور اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرتا رہ۔"(سورۃ الضحیٰ:11) کے تحت نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اچھے کپڑے پہنتے، اگر کبھی اچھے کپڑے میسر نہ ہوتے تھے تو پیوند لگے کپڑے پہنتے تھے نہ کہ گندے کپڑے۔ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی اپنی استطاعت کے مطابق اچھے کپڑے پہنیں، خوشبو کا استعمال کریں، پاکی صفائی کا خیال رکھیں البتہ زیب وزینت کو اختیار کرنے میں غلو کرنے سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔

کیا زیب وزینت کو اختیار کرنا تکبر کی علامت ہے:

زیب وزینت کو اختیار کرنا تکبر کی علامت نہیں بلکہ پسندیدہ کام ہے۔ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ»

ترجمہ:"وہ آدمی جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر ہو۔"

اس پر ایک آدمی نے پوچھا:

"إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً"

ترجمہ:"بے شک آدمی چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اور اس کے جوتے اچھے ہوں (کیا یہ بھی تکبر ہے؟)۔"

آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ، وَغَمْطُ النَّاسِ»

ترجمہ: "بے شک اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند فرماتا ہے، تکبر تو حق کو جھٹلانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے (صحیح مسلم :91)"۔

5۔ پانچواں پوائنٹ: شوہر اور بیوی آپس میں ایک دوسرے کے لیے وقت نکالیں:

شوہر اپنی بیوی کے لیے وقت نکالے اس کے ساتھ بیٹھ کر کبھی سنجیدہ ڈسکشن کرے، کبھی تفریحی گفتگو، ہنسی مذاق اور دل لگی کی باتیں بھی کرے۔ہمیشہ پروفیسر یا پولیس کی طرح گھر میں داخل ہو کر، ہمیشہ صرف احکامات جاری نہ کرے۔اسی طرح بیوی اپنے بچوں اور اپنے گھر کے کاموں

میں اتنی Busy یا مشغول نہ ہو کہ شوہر کے لیے اس کے پاس وقت ہی نہ ہو۔ آج کے اس مصروف دور میں ہم کم از کم اپنی فیملی اور اہلِ خانہ کے ساتھ مل کر کھانا کھانے کی کوشش کریں۔

نبی اکرم ﷺ discipline کے پابند تھے، ہر کام کے لیے آپ کا وقت متعین تھا۔ آپ ﷺ ایک شوہر ہونے کے ساتھ ایک رسول اور حاکم بھی تھے۔ آپ ﷺ کی زندگی میں 81 جنگیں اور سریے لڑی گئیں، آپ دینی اور حکومتی امور کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ ہر ایک کے لیے وقت نکالتے تھے۔ آپ ﷺ عصر کے بعد ازواجِ مطہرات کے لیے ٹائم نکالا کرتے تھے۔ آپ ہر ایک کے گھر جاتے اور ان کے ساتھ وقت گزارتے تھے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ:" كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَيُحِبُّ الْعَسَلَ، وَكَانَ إِذَا صَلَّى الْعَصْرَ أَجَازَ عَلَى نِسَائِهِ فَيَدْنُو مِنْهُنَّ،

(صحیح بخاری:6972)

، ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنی زندگی میں discipline قائم کریں، جہاں زندگی کے اور سارے امور کے لیے وقت نکالتے ہیں وہیں بیوی بچوں کے لیے وقت نکالیں، کیونکہ شوہر اور بیوی اسلامی دائرہ میں رہ کر ایک ساتھ سیر و تفریح، کھیل کود اور ہنسی مذاق کرکے آپس میں ایک دوسرے کی دلجوئی کرسکتے ہیں جیسا کہ آپ ﷺ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کے ساتھ کھیل کود بھی کیا کرتے تھے جیسا کہ وہ خود فرماتی ہیں کہ ایک سفر میں میں آپ ﷺ کے ساتھ تھیں:

"فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقْتُهُ عَلَى رِجْلَيَّ، فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ سَابَقْتُهُ فَسَبَقَنِي فَقَالَ: «هَذِهِ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ»"

ترجمہ: "میرے اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میں دوڑ کا مقابلہ ہوا تو میں جیت گئی پھر جب میرا بدن بھاری ہوا تو میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے مقابلہ کیا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سبقت لے گئے پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: یہ جیت اس جیت کا بدلہ ہے۔" (سنن ابی داؤد: 2578)

اور ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

«لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَوْمًا عَلَى بَابِ حُجْرَتِي وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ، وَرَسُولُ اللهِ ﷺ يَسْتُرُنِي بِرِدَائِهِ، أَنْظُرُ إِلَى لَعِبِهِمْ»

ترجمہ:" میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دن اپنے حجرہ کے دروازے پر دیکھا۔ اس وقت حبشہ کے کچھ لوگ مسجد میں (نیزوں سے) کھیل رہے تھے (ہتھیار چلانے کی مشق کر رہے تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی چادر میں چھپالیا تاکہ میں ان کا کھیل دیکھ سکوں۔" (صحیح بخاری:454)

بہر کیف آج لوگ واٹس ایپ اور فیس بک میں اتنا زیادہ مشغول ہو چکے ہیں کہ وہ کسی کو بھی وقت ہی نہیں دے پارہے ہیں اور سوشل میڈیا social media ہماری ازدواجی زندگی کو تباہ و برباد کر رہا ہے۔ اسی طرح بہت سارے شوہر اپنی بیویوں کو اپنے ساتھ باہر لے جانا پسند نہیں کرتے اور بہت ساری عورتیں ایسی ہیں جو اپنے شوہروں کے بجائے اپنی سہیلیوں کے ساتھ باہر جانا پسند کرتی ہیں۔ اس طرح شوہر اور

بیوی کے درمیان communication gap بڑھتا جارہا ہے

۔

موجودہ معاشرے کی ایک اہم غلطی:

آج اکثر نوجوان شادی ہونے کے بعد ماں باپ کو چھوڑ دیتے ہیں ،ان کے پاس ماں باپ کے لیے وقت نہیں ہوتا ہے ، ایک اندازے کے مطابق اکثر میاں بیوی زندگی کا80 فیصد حصہ ساتھ میں گزارتے ہیں اور 20 فیصد حصہ دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ گزارتے ہیں۔یہاں ہر ایک کو یہ بات اچھی طرح سمجھنا چاہیے کہ شادی کا مطلب ماں باپ سے الگ ہونا نہیں ہے ۔ہمیں چاہیے کہ شادی کے بعد ماں باپ اور دیگر رشتے داروں کا بھی خیال رکھیں اور ان کے لیے وقت نکالیں۔

شوہر اور بیوی کے جھگڑوں کو ختم کرنے کے ذرائع اور حل:

اگر کبھی میاں اور بیوی کے درمیان اختلاف اور جھگڑے ہو جائیں تو انہیں ختم کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ نے ہمیں بہت سارے حل اور علاج بتائے ہیں۔اگر ہم انہیں اپنائیں گے تو ضرور یہ جھگڑے پیار محبت میں تبدیل ہو جائیں گے۔

1۔پہلا حل:"ابتسامة"یعنی مسکراہٹ:

مسکراہٹ محبت بڑھانے اور جھگڑوں کو ختم کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہے،انگریزی میں مقولہ مشہور ہے " smile is contagious" "مسکراہٹ متعدی ہے"یعنی اگر آپ راستے میں کسی اجنبی کو دیکھ کر مسکرائیں گے تو وہ بھی آپ کو دیکھ کر مسکرائے گا۔اگر جھگڑوں کے بعد شوہر بیوی کو یا بیوی

شوہر کو مسکرا کر دیکھتی ہے تو ان کے درمیان موجود ساری رنجشیں اور جھگڑے ختم ہو جائیں گے ۔نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ اسی طرح مسکرا کر جھگڑے کو حل کیا تھا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"دَخَلَ عَلَيَّ يَوْمًا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقُلْتُ: أَيْنَ كُنْتَ مُنْذُ الْيَوْمِ؟ قَالَ: «يَا حُمَيْرَاءُ كُنْتُ عِنْدَ أُمِّ سَلَمَةَ» فَقُلْتُ: مَا تَشْبَعُ مِنْ أُمِّ سَلَمَةَ؟ قَالَتْ: فَتَبَسَّمَ ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ ، أَلَا تُخْبِرُنِي عَنْكَ ، لَوْ أَنَّكَ نَزَلْتَ بِعُدْوَتَيْنِ ، إِحْدَاهُمَا لَمْ تُرْعَ ، وَالْأُخْرَى قَدْ رُعِيَتْ ، أَيُّهُمَا كُنْتَ تَرْعَى؟ قَالَ: «الَّتِي لَمْ تُرْعَ» قُلْتُ: فَأَنَا لَسْتُ كَأَحَدٍ مِنْ نِسَائِكَ ، كُلُّ امْرَأَةٍ مِنْ نِسَائِكَ قَدْ كَانَتْ عِنْدَ رَجُلٍ ، غَيْرِي ، قَالَتْ: فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "

ترجمہ:"ایک دن نبی کریم ﷺ میرے پاس آئے میں نے پوچھا آج آپ کہاں تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:اے

حمیراء میں ام سلمہ رضی اللہ عنھا کے پاس تھا، میں نے کہا: آپ ام سلمہ رضی اللہ عنھا سے شکم سیر نہیں ہوئے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں میری یہ بات سن کر آپ ﷺ مسکرائے پھر میں نے کہا: اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے بتایئے اگر آپ دو وادیوں میں اترے ایک وادی ایسی ہے جس میں بکریاں نہیں چرائی گئی ہیں اور دوسری ایسی ہے جس میں بکریاں چرائی گئی ہیں تو آپ کس وادی میں بکریاں چرانا پسند کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس وادی میں جس میں بکریاں چرائی نہیں گئی ہیں۔ میں نے کہا: کیا میں آپ کی بیویوں میں اس وادی کی طرح نہیں ہوں جس میں بکریاں نہیں چرائی گئی ہیں، آپ کی ہر بیوی پہلے کسی کی زوجیت میں تھی سوائے میرے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ مسکرائے۔" (الطبقات لابن سعد: 10981)

اس معنی کی ایک اور حدیث صحیح بخاری میں بھی ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَرَأَيْتَ لَوْ نَزَلْتَ وَادِيًا وَفِيهِ شَجَرَةٌ قَدْ أُكِلَ مِنْهَا، وَوَجَدْتَ شَجَرًا لَمْ يُؤْكَلْ مِنْهَا، فِي أَيِّهَا كُنْتَ تُرْتِعُ بَعِيرَكَ ؟ قَالَ: فِي الَّذِي لَمْ يُرْتَعْ مِنْهَا، تَعْنِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَتَزَوَّجْ بِكْرًا غَيْرَهَا.

عائشہ رضی اللہ عنہانے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! فرمایئے اگر آپ کسی وادی میں اتریں اور اس میں ایک درخت ایسا ہو جس میں اونٹ چر گئے ہوں اور ایک درخت ایسا ہو جس میں سے کچھ بھی نہ کھایا گیا ہو تو آپ اپنا اونٹ ان درختوں میں سے کس درخت میں چرائیں گے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس درخت میں جس میں سے ابھی چرایا نہیں گیا ہو۔ ان کا اشارہ اس طرف تھا کہ رسول اللہ

ﷺ نے ان کے سوا کسی کنواری لڑکی سے نکاح نہیں کیا۔

(صحیح بخاری:5077)

2۔دوسرا حل:"اعراض"(نظر انداز کرنا):

جب کبھی بیوی اور شوہر کے درمیان جھگڑے، بحث اور تکرار ہو جائے، اور اس تو تو میں میں کے بیچ بیوی نے شوہر کو یا شوہر نے بیوی کو کچھ الٹا سیدھا کہہ دیا تو دونوں کو چاہیے کہ وہ ان چیزوں کو نظر انداز کریں اور آپس میں ایک دوسرے کے لیے بہانہ تلاش کریں کہ شاید غصہ میں کہہ دیا ہو گا یا شاید کہنے کا مطلب کچھ اور ہو گا وغیرہ اور چھوٹی موٹی باتوں کو طول نہ دیں کیونکہ جب پتھر اٹھائیں گے تو اس کے نیچے سے کیڑوں کا نکلنا ضروری ہے۔ نظر انداز کرنا جھگڑوں کو حل کرنے کا

بہترین نبوی علاج ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كَانَ لِلنَّبِيِّ ﷺ تِسْعُ نِسْوَةٍ، فَكَانَ إِذَا قَسَمَ بَيْنَهُنَّ، لَا يَنْتَهِي إِلَى الْمَرْأَةِ الْأُولَى إِلَّا فِي تِسْعٍ، فَكُنَّ يَجْتَمِعْنَ كُلَّ لَيْلَةٍ فِي بَيْتِ الَّتِي يَأْتِيهَا، فَكَانَ فِي بَيْتِ عَائِشَةَ، فَجَاءَتْ زَيْنَبُ، فَمَدَّ يَدَهُ إِلَيْهَا، فَقَالَتْ: هَذِهِ زَيْنَبُ، فَكَفَّ النَّبِيُّ ﷺ يَدَهُ، فَتَقَاوَلَتَا حَتَّى اسْتَخَبَتَا، وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَمَرَّ أَبُو بَكْرٍ عَلَى ذَلِكَ، فَسَمِعَ أَصْوَاتَهُمَا، فَقَالَ: اخْرُجْ يَا رَسُولَ اللهِ إِلَى الصَّلَاةِ، وَاحْثُ فِي أَفْوَاهِهِنَّ التُّرَابَ، فَخَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: الْآنَ يَقْضِي النَّبِيُّ ﷺ صَلَاتَهُ، فَيَجِيءُ أَبُو بَكْرٍ فَيَفْعَلُ بِي وَيَفْعَلُ، فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ صَلَاتَهُ، أَتَاهَا أَبُو بَكْرٍ، فَقَالَ لَهَا قَوْلًا شَدِيدًا، وَقَالَ: أَتَصْنَعِينَ هَذَا"

ترجمہ: "نبی کریم ﷺ کی نو بیویاں تھیں، جب آپ ان میں باری تقسیم کرتے تو پہلی باری والی بیوی کے پاس نویں رات ہی پہنچتے، وہ سب ہر رات اس بیوی کے گھر میں جمع ہو جاتی تھیں جہاں نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہوتے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا آئیں تو آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ ان کی طرف پھیلایا، انہوں (عائشہ رضی اللہ عنھا) نے کہا یہ زینب ہیں آپ نے اپنا ہاتھ روک لیا، اس پر ان دونوں میں تکرار ہو گئی حتی کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں اور (اسی دوران میں) نماز کے لیے اقامت کہی گئی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا گزر وہاں سے ہوا، انہوں نے ان کی آوازیں سن کر کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نماز کے لیے تشریف لائیے اور ان کے منہ میں مٹی ڈالیئے، اللہ کے رسول ﷺ نکل گئے حضرت عائشہ نے کہا ابھی نبی کریم ﷺ اپنی نماز پوری کریں گے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ آئیں گے اور وہ مجھے ایسے ایسے

ڈانٹ ڈپٹ کریں گے، جب نبی کریم ﷺ نے نماز پوری کی تو حضرت ابو بکر ان (عائشہ رضی اللہ عنہا) کے پاس آئے اور انہیں سخت سرزنش کی اور کہا کیا تم اس طرح کرتی ہو؟۔" (صحیح مسلم:1462)

مذکورہ واقعہ میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ازواجِ مطہرات کے معاملے میں بہت زیادہ دخل اندازی نہیں کرتے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کو ڈانٹ ڈپٹ کر معاملہ حل کر دیا، اس سے پتہ چلا کہ اگر کبھی میاں بیوی کا جھگڑا ہو جائے اور آپس میں بات چیت کے ذریعہ صلح نہ ہو تو مسئلہ سلجھنے کے بجائے الجھ رہا ہو تو تھرڈ پارٹی third party (سسرالی / قریبی رشتے دار) کا سہارا لے کر معاملے کو حل کر دینا چاہیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کو ناراض ہونے کا بھی حق دیتے اور ان کی پسند اور ناپسند کا مکمل طور پر خیال کرتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ : قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " إِنِّي لَأَعْلَمُ إِذَا كُنْتِ عَنِّي رَاضِيَةً، وَإِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبَى ". قَالَتْ : فَقُلْتُ : مِنْ أَيْنَ تَعْرِفُ ذَلِكَ ؟ فَقَالَ : " أَمَّا إِذَا كُنْتِ عَنِّي رَاضِيَةً، فَإِنَّكِ تَقُولِينَ : لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ. وَإِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبَى قُلْتِ : لَا وَرَبِّ إِبْرَاهِيمَ ". قَالَتْ : قُلْتُ : أَجَلْ وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَا أَهْجُرُ إِلَّا اسْمَكَ

عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ میں خوب پہچانتا ہوں کہ کب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو اور کب تم مجھ پر ناراض ہو جاتی ہو۔ اس پر میں

نے عرض کیا آپ یہ بات کس طرح سمجھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو: نہیں محمد (ﷺ) کے رب کی قسم! اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو: نہیں ابراہیم (علیہ السلام) کے رب کی قسم! میں نے عرض کیا جی ہاں، اللہ کی قسم یارسول اللہ! (غصے میں) صرف آپ کا نام زبان سے نہیں لیتی۔ (صحیح بخاری:5228)

3۔ تیسرا حل:"حوار"(اچھی گفتگو):

انسان ہمیشہ اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھے کیونکہ یہ لڑائی جھگڑے کا سبب ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"أَكْثَرَ خَطَايَا ابْنِ آدَمَ فِي لِسَانِهِ"

ترجمہ:"اکثر ابن آدم کی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں اس کی زبان کی وجہ سے۔"(السلسلۃ الصحیحۃ:534)

ویسے اسلام نے تو ہمیں ہمیشہ اچھی گفتگو کرنے کی تعلیم دی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

"وَقُل لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنزَغُ بَيْنَهُمْ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا"

ترجمہ: "اور میرے بندوں سے کہہ دیجیئے کہ وہ بہت ہی اچھی بات منہ سے نکالا کریں کیونکہ شیطان آپس میں فساد ڈلواتا ہے۔ بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔" (سورۃ الاسراء:53)

یہ بات کسی سے مخفی نہیں ہے کہ شیریں زبان اور میٹھی گفتگو بہت سارے مسائل ختم کر دیتی ہے۔ ہم نے کئی ایسے جھگڑے دیکھے ہیں جن میں شوہر اور بیوی صرف مسیجس کی بنیاد پر جھگڑا کر بیٹھے، میاں بیوی کو چاہیے کہ وہ مسیجس، WhatsApp، Facebook، email، وغیرہ پر

جھگڑا نہ کریں کیونکہ یہ سب ڈیڈ لائن deadline messages ہوتے ہیں کیونکہ جو Text message ہوتا ہے اس کا اثر بسا اوقات پڑھنے والے کے موڈ پر بھی منحصر ہوتا ہے، اگر ہم خوشی میں ہوتے ہیں تو وہ میسیج message ہمیں اچھا لگے گا، اگر غصہ میں ہوتے ہیں تو اچھا message بھی برا لگے گا۔ جب بھی ہم میسیج کا ٹکسٹ ٹائپ کریں تو اس سے قبل kindly یا please وغیرہ لکھیں تاکہ آگے والا غلط فہمی کا شکار نہ ہو۔

بہر کیف میاں بیوی میں جب کبھی جھگڑا ہو تو اس کو اچھی گفتگو کے ذریعہ ختم کرنے کی کوشش کریں اور اگر کبھی وہ دونوں یا کوئی ایک غلط فہمی کا شکار ہو جائے تو انہیں چاہیے کہ اس غلط فہمی کو اتنی بار سمجھائیں کہ سارے شکوک اور

clear doubts ہو جائیں، کیونکہ کبھی discussion

کرنے سے مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہو جائے گا۔

ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"انْتَهَيْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَمَا مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ أَكْرَهَ إِلَيَّ مِنْهُ، فَقَالَ: «إِنَّ قَوْمَكِ صَنَعُوا كَذَا وَكَذَا» ، قَالَتْ: فَمَا قُمْتُ مِنْ مَقْعَدِي وَمَا مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْهُ"

ترجمہ:"میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور آپ ﷺ مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسند تھے۔ آپ نے کہا بے شک آپ کی قوم نے ایسے ایسے کیا ہے، حضرت صفیہ فرماتی ہیں جب میں اپنی جگہ سے اٹھی تو میرے نزدیک لوگوں میں سب سے محبوب آپ ﷺ تھے۔" (مسند ابی یعلیٰ:7114)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

"بَلَغَ صَفِيَّةَ أَنَّ حَفْصَةَ، قَالَتْ: بِنْتُ يَهُودِيٍّ، فَبَكَتْ، فَدَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ ﷺ وَهِيَ تَبْكِي، فَقَالَ: «مَا يُبْكِيكِ» ؟ فَقَالَتْ: قَالَتْ لِي حَفْصَةُ: إِنِّي بِنْتُ يَهُودِيٍّ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: «وَإِنَّكِ لَابْنَةُ نَبِيٍّ، وَإِنَّ عَمَّكِ لَنَبِيٌّ، وَإِنَّكِ لَتَحْتَ نَبِيٍّ، فَفِيمَ تَفْخَرُ عَلَيْكِ؟» ثُمَّ قَالَ: «اتَّقِي اللَّهَ يَا حَفْصَةُ»"

ترجمہ:"صفیہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا کہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے انہیں یہودی کی بیٹی کہا ہے اس پر حضرت صفیہ رونے لگیں۔ اللہ کے رسول ﷺ ان کے پاس آئے اس حال میں کہ وہ رو رہی تھیں آپ ﷺ نے پوچھا: کیوں رو رہی ہو؟ انہوں نے کہا کہ حفصہ نے مجھے یہودی کی بیٹی کہا

ہے، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: بے شک تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارا چچا نبی ہیں اور تم ایک نبی (میرے) کے ماتحت ہو، کیسے وہ تم پر فخر کر سکتی ہیں ؟ پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حفصہ سے کہا: اے حفصہ! اللہ سے ڈرو۔" (سنن الترمذی:3894)

ہمیں بھی چاہیے کہ ہم مسائل کو حسنِ اخلاق جیسے اچھی گفتگو، مسکراہٹ اور نرمی سے حل کرنے کی کوشش کریں۔

صلح کی خاطر حقدار کا اپنے حق کو چھوڑنے کی فضیلت:

صلح اور جھگڑا ختم کرنے کی خاطر اگر کوئی حقدار اپنے حق سے دستبردار ہوتا ہے تو اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسے جنت کی بشارت دی ہے، جیسا کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

"أَنَا زَعِيمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَإِنْ كَانَ مُحِقًّا"

ترجمہ:"میں اس شخص کے لیے جنت کے اندر ایک گھر کا ضامن ہوں جو لڑائی جھگڑے ترک کر دے اگرچہ وہ حق پر ہو۔"(سنن ابی داوٗد:4800)

اگر ہم اس حدیث پر عمل کریں گے تو ہمارے پارٹنرشپ ،بھائی بہن ،پڑوسی، کمیٹی، اداروں وغیرہ کے سارے جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔ مگر افسوس کہ ہماری بچپن ہی سے غلط پروگرامنگ کی گئی ہے، ہمیں بچپن سے یہی سکھایا گیا ہے کہ اگر کسی چیز کے حقدار ہیں تو اسے ہر صورت میں حاصل کریں۔اس طرح کرنے سے ہمیں دنیا میں ہمارا حق تو مل جائے گا لیکن جنت چھوٹ جائے گی۔

4. چوتھا حل :شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے خیر خواہ بنیں:

شوہر اور بیوی کو آپس میں ایک دوسرے کے لیے آئینہ کی طرح خیر خواہ ہونا چاہیے ۔نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ"

ترجمہ:"ایک مومن دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہے۔"(سنن ابی داؤد:4918)

آئینہ کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ٹوٹ کر بھی توڑنے والے کے لیے خیر خواہی کرتا ہے،اسی طرح اگر کبھی شوہر بیوی کا دل توڑدے تو بیوی کو چاہیے کہ وہ شوہر کے ساتھ حسنِ سلوک کرے اور اگر کبھی بیوی شوہر کا دل توڑتی ہے تو وہ بھی اس کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرے۔ ہمیشہ برائی کو بھلائی کے ذریعہ دور کرنے کی کوشش کریں۔

5۔ پانچواں حل: نصیحت:

میاں بیوی میں سے کسی ایک سے اگر غلطی سرزد ہو جائے تو سامنے والے اس کو نصیحت کے ذریعہ دور کرنے کی کوشش کرے اور حالات کے لحاظ سے نصیحت میں کبھی نرمی اور کبھی سختی اپنائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بشیر اور نذیر دونوں بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا"

ترجمہ: "اے نبی ﷺ بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا خوشخبری دینے اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔" (سورۃ الاحزاب: 45)

ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو پست قد کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ»

ترجمہ: "بے شک تم نے ایسی بات کہی اگر اسے سمندر کے پانی میں ملا دیا جائے تو سارا سمندر کا پانی گدلا ہو جائے گا۔"

(سنن ابی داؤد:4875)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"مَا غِرْتُ عَلَى أَحَدٍ مِنْ نِسَاءِ النَّبِيِّ ﷺ، مَا غِرْتُ عَلَى خَدِيجَةَ، وَمَا رَأَيْتُهَا، وَلَكِنْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُكْثِرُ ذِكْرَهَا، وَرُبَّمَا ذَبَحَ الشَّاةَ ثُمَّ يُقَطِّعُهَا أَعْضَاءً، ثُمَّ يَبْعَثُهَا فِي صَدَائِقِ خَدِيجَةَ، فَرُبَّمَا قُلْتُ لَهُ: كَأَنَّهُ لَمْ يَكُنْ فِي الدُّنْيَا امْرَأَةٌ إِلَّا خَدِيجَةُ، فَيَقُولُ «إِنَّهَا كَانَتْ، وَكَانَتْ، وَكَانَ لِي مِنْهَا وَلَدٌ»"

ترجمہ:"مجھے رسول اللہ ﷺ کی بیویوں میں سب سے زیادہ غیرت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آتی تھی حالانکہ میں نے آپ کو نہیں دیکھا، آپ ﷺ ان کا ذکرِ خیر کثرت سے کیا کرتے تھے اور کبھی بکری ذبح کر کے اس کے مختلف حصے کرتے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے پاس بھیجتے تھے۔ کبھی کبھی میں آپ ﷺ سے کہتی تھی کہ دنیا میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی عورت نہیں ہے؟ آپ ﷺ فرماتے: وہ ایسی ایسی تھیں اور انہی سے میری اولاد ہے۔"(صحیح بخاری:3818)

اگر ہم کسی کی غلطی کی اصلاح اور اس کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں تو ہم اکیلے میں اسے نصیحت کرنے کی کوشش کریں۔ لوگوں کے سامنے بھری محفل میں یا واٹس اپ، فیس بک پر اصلاح کرنا اور دوسروں کے سامنے غلطیاں بیان کرنا درست نہیں ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«الدِّينُ النَّصِيحَةُ»

ترجمہ:"دین خیر خواہی کا نام ہے۔"(صحیح مسلم:55)

بیوی کی اصلاح کے چار مراحل:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نافرمان بیوی کی اصلاح کے لیے چار مراحل بیان کیے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا"

ترجمہ:"اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بددماغی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر

چھوڑ دو اور انہیں مار کی سزا دو پھر اگر وہ تابعداری کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو، بے شک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے۔ اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان آپس کی اَن بَن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو، اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں میں ملاپ کرا دے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ پورے علم والا پوری خبر والا ہے۔" (سورۃ النساء:35-34)

اس آیتِ کریمہ میں نافرمان بیوی کی اصلاح کے چار مراحل ذکر کیے گئے ہیں:

۱۔ نصیحت کی جائے

۲۔ بستر سے الگ کیا جائے

۳۔ ضرب

۴۔ شوہر اور بیوی کی جانب سے ایک ایک حکم مقرر کرکے دونوں کے درمیان فیصلہ کرایا جائے۔

ضرب کا مفہوم:

عورت اگر کسی بڑی نافرمانی کا ارتکاب کرتی ہے تو شریعت نے ہمیں اصلاح کے لیے تیسرے مرحلہ میں ضرب کا حکم دیاہے۔ اور اس ضرب سے بہت ہلکی ضرب مراد ہے۔ قرآن مجید میں اس کے لیے "ضرب "کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ۔اہلِ علم سے اس ضرب کی تشریح میں مختلف اقوال منقول ہیں۔ بعض اہلِ علم کہتے ہیں کہ اتنا آہستہ مارا جائے کہ مارتے ہوئے بغل نظر نہ آئے۔ شیخ آر کے نور محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اپنی دو انگلیوں سے آہستہ سے ہاتھ پر مارنے کو بھی ضرب کہتے ہیں ۔ اسی طرح پھول پھینک کر مارنے کو بھی ضرب کہا جاتا ہے۔ سنہار کی سونے پر مار بھی ضرب ہے

نبی کریم ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں کسی بیوی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔لہذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اپنے ازدواجی مسائل کو کورٹ ،پولیس اسٹیشن وغیرہ میں حل کرنے کے بجائے گھر کی چہار دیواری میں حل کرنے کی کوشش کریں۔

6۔چھٹا حل:مسئلے کی تحقیق:

اگر شوہر کو بیوی کے تعلق سے یا بیوی کو شوہر کے تعلق سے کوئی غلط فہمی ہو جائے تو دونوں کو چاہیے کہ معاملے کی گہرائی میں جائیں اور تحقیق کریں، جلدبازی میں ایک دوسرے پر تہمت نہ لگائیں کہ اتنے سارے لوگ کیسے جھوٹ بول سکتے ہیں۔واقعہء افک میں لوگوں نے حضرت عائشہ پر جھوٹا الزام لگایا لیکن نبی کریم ﷺ نے جلدبازی میں فیصلہ لینے کے بجائے تقریبا ایک ماہ تک تحقیق کی۔آخرکار اللہ

تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی پر آسمان سے آیتیں نازل فرمائیں۔

7. ساتواں حل: انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا:

میاں بیوی کے درمیان پائی جانے والی غلط فہمی اگر تحقیق کرنے کے بعد دور ہو جائے تو دونوں کو چاہیے کہ اس کے بعد جو بھی فیصلہ لیں وہ انصاف اور حق پر مبنی ہو۔ماں باپ کا احترام واجب ہے لیکن ان کی محبت اور احترام میں غلط فیصلہ کرنا بالکل غلط ہے۔ایک آدمی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس آیا اور کہنے لگا میرے والد مجھے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حکم دے رہے ہیں اور دلیل کے طور پر کہہ رہے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے۔اس پر امام صاحب نے فرمایا: "هل ابوک مثل عمر؟" کیا آپ کے والد حضرت عمر رضی اللہ

کے برابر ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملہم، فقیہ، ذی علم اور دوراندیش شخص تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو بھی فیصلہ کرتے وہ انا کی بنیاد پر نہیں تحقیق اور انصاف کی بنیاد پر کرتے تھے۔

آج بہت سارے لوگ اپنی ماں کو حرفِ آخر سمجھتے ہیں اور ماں کے کہنے پر بغیر کسی سببِ شرعی کے اپنی بیویوں کو طلاق دے دیتے ہیں جو کہ سراسر غلط ہے۔

8۔ آٹھواں حل: دفاع:

بعض اوقات بیوی یا شوہر پر جادو کا اثر ہو جاتا ہے اور کبھی دونوں mentally disturbed ہو جاتے ہیں اور کبھی غصے میں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں تو ان حالات میں لڑنے کے بجائے ایک دوسرے کا دفاع کریں کیونکہ غضب شدید جس میں کیا بولا اسکی پختہ نیت معلوم ہی اور دماغ بند ہو گیا میں

طلاق دینے سے طلاق بھی واقع نہیں ہوتی۔ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص mentally disturbed ہے اور وہ اس حالت میں اگر اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور بعد میں قسمیں کھا کر کہتا کہ مجھے پتہ نہیں کہ میں نے کب طلاق دی ہے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہو گی۔

نوٹ: بعض غصہ میں طلاق بولا کہکر طلاق واقع نہیں ہوئی سمجھتے ہیں شیخ ابن عثیمین نے معمولی غصہ میں بولی جانے والی طلاق کو طلاق شمار فرمایا ہے اور یہ بھی کہتا ہوں کے طلاق تو غصہ میں ہی دیتا ہے، محبت میں تو نہیں دیتا بیوی کو؟

آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو محمد ﷺ کے طریقے کے مطابق نکاح اور طلاق کے مسائل کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

نوٹ: اگر اس خطبہ جمعہ کو آپ ویڈیو میں دیکھنا اور سننا چاہتے ہیں تو برائے مہربانی اس لنک پر جائیں:-

https://www.youtube.com/watch?v=WbTKsb0prAE&t=985s

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی سے

آٹھ اسباق

تمہید

١. توحید

٢. سچے مسلمان

٣. حنیفیت

٤. مثالی باپ مثالی بیٹے

٥. امن پسندی

٦. درسِ اتحاد

٧. تحقیقی مزاج ریسرچ مائنڈ

٨. مجادلہ حسنہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالی کے بڑے جلیل القدر نبی ہیں۔ اللہ تعالی نے آپ کو خلیل اللہ (اللہ کا دوست) کالقب دیا اور انہیں اپنی خلت کے لیے منتخب فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے کئی پیغمبر پیدا ہوئے، جن کا تذکرہ قرآن مجید، احادیث نبویہ میں بھی موجود ہے۔ آخری نبی مُحمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہی نسل سے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مسلمان تھے:

اس دنیا میں بہت سارے مذاہب کے ماننے والے یہ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ان کا تعلق ابراہیم علیہ السلام سے

ہے جیسے یہودی اور عیسائی دونوں ہی بزعم خویش ابراہیم علیہ السلام سے سچے تعلق کے دعویدار ہیں لیکن ابراہیم علیہ السلام سے سب سے سچا اور گہرا تعلق کسی کا ہے تو وہ مسلمانوں کا ہے، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں سورہ آل عمران سورہ نمبر 3 آیت نمبر 67 میں ارشاد فرمایا: "مَا كَانَ إِبۡرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصۡرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسۡلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِينَ "ابراہیم تو نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو یک طرفہ (خالص) مسلمان تھے، وہ مشرک بھی نہیں تھے"۔

اللہ رب العالمین کے پاس عقیدے کی حد درجے اہمیت ہے، جس کا عقیدہ صحیح اس کا دین صحیح ،اور جس کے

عقیدے میں بگاڑ ہو وہ اللہ کے پاس قابل قبول نہیں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہودیت اور عیسائیت کے لیے دین کی تعبیر استعمال نہیں کی بلکہ اسلام کو ایک سچا دین قرار دیا۔ سورہ آل عمران آیت نمبر 19 میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: " إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ" بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے، اور اہل کتاب نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بناپر ہی اختلاف کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ جو بھی کفر کرے اللہ تعالیٰ اس کا جلد حساب لینے والا ہے"

۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس مقبول ایک ہی دین ہے اور وہ ہے اسلام، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے صرف مسلم کو ہی پسند کیا ہے۔ سورہ حج سورہ نمبر 22 آیت نمبر 78 میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: "وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ " اور اللہ کی راہ میں ویسا ہی جہاد کرو جیسا جہاد کا حق ہے۔ اسی نے تمہیں برگزیدہ بنایا ہے اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی، دین اپنے باپ

ابراہیم (علیہ السلام) کا قائم رکھو، اسی اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔ اس قرآن سے پہلے اور اس میں بھی تاکہ پیغمبر تم پر گواہ ہو جائے اور تم تمام لوگوں کے گواہ بن جاؤ۔ پس تمہیں چاہئے کہ نمازیں قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو مضبوط تھام لو، وہی تمہارا ولی اور مالک ہے۔ پس کیا ہی اچھا مالک ہے اور کتنا ہی بہتر مددگار ہے "۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اعلان کر دیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مسلم کو پسند کرتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے یہاں قبول ہونے والا مذہب صرف اسلام ہے۔

ہم مسلمان ابراہیم علیہ السلام سے وابستگی کا ثبوت دیتے ہیں کیونکہ قرآن مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کو اپنے لیے نمونہ بنالیں اور ان کی زندگی کو فالو(Follow) کریں۔

سورہ آل عمرآن سورہ نمبر 3 آیت نمبر 95 میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ " کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ سچا ہے تم سب ابراہیم حنیف کے ملت کی پیروی کرو، جو مشرک نہ تھے "۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی سے ہم مسلمانوں کا گہرا اور صحیح تعلق ہے، دنیا میں بہت سارے لوگ صرف دعویٰ کرتے ہیں لیکن سب سے

زیادہ سچے طور پر ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرنے والے مسلمان ہی ہیں، مسلمان حج کرتے ہیں، حج کے دوران منی میں رہتے ہیں، ابراہیم علیہ السلام سے وابستگی کا ثبوت دیتے ہیں، ہم مسلمان قربانی کرتے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام سے وابستگی کا ثبوت دیتے ہیں، صفا اور مروہ کے درمیان مسلمان حاجی سعی کرتے ہیں تو ھاجر علیہا السلام سے وابستگی کا ثبوت دیتے ہیں، قربانی کا جانور ذبح کرتے ہیں تو اسماعیل علیہ السلام سے وابستگی کا ثبوت دیتے ہیں، مقامِ ابراہیم پر ٹھہر کر دو رکعت نماز پڑھتے ہیں تو ابراہیم علیہ السلام سے وابستگی کا ثبوت دیتے ہیں، کعبہ کا طواف کرتے ہیں تو کعبہ کی بنیادوں کو بلند کرنے والے بھی ابراہیم علیہ السلام ہیں، الغرض ابراہیم علیہ

السلام کی زندگی سے ہماری زندگیوں کا بڑا گہرا تعلق ہے، وہ لوگ جو حج نہیں کر سکتے اور کعبۃ اللہ تک جانے کی استطاعت نہیں رکھتے وہ بھی اپنے اپنے مقامات میں اور اپنے اپنے ممالک میں قربانی کرتے ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو یہ سنتِ ابراہیمی اس قدر پسند ہے کہ اللہ تعالی نے قیامت کی صبح تک مسلمانوں کو کم از کم سال میں ایک مرتبہ اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے، مسلمان چاہے دنیا کے کسی بھی کونے میں ہوں ایام التشریق میں قربانی دے کر ابراہیم علیہ السلام سے وابستگی کا ثبوت دیتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ آدمی جس کے پاس پیسہ نہیں ہے اور وہ حج کے لیے کعبۃ اللہ تک نہیں جا سکا، جس کے پاس اتنے بھی

پیسے نہیں ہیں کہ اس نے قربانی کی سنت بھی ادا نہیں کی،
تو ایسا آدمی ابراہیم علیہ السلام سے اپنے تعلق کا اظہار
کیسے کرے؟ خوش ہو جایئے اپنی غریبی سے پریشان نہ
ہوں اور یہ خوشخبری سنیں سنن ابی داود حدیث نمبر:
1810 ہے، ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ جب خطبہ دے
کر منبر سے اترتے ہیں تو آپ کے پاس ایک بکرا لایا جاتا
ہے نبی اکرم ﷺ اسے ذبح کرتے ہوئے ارشاد
فرماتے ہیں: " هذا عنِّي، وعمَّن لَم يضحِّ من
أمَّتي "یہ قربانی میری طرف سے اور میری امت کے
ان افراد کی طرف سے ہے جو قربانی نہیں دے سکتے"۔
اگر ہمارے پاس قربانی دینے کی طاقت نہیں ہے تو
الحمدللہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں محروم نہیں کیا ہے،

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو (1400) سال پہلے ہی ان لوگوں کی طرف سے جن کے پاس استطاعت نہیں ہے قربانی کر دی ہے۔ اور جن کے پاس استطاعت ہے وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ڈریں، اور قربانی کریں، اس میں زکوۃ کی طرح نصاب کا مالک ہونا یا زیادہ مال والا ہونے کی شرط نہیں ہے۔

ابراہیم علیہ السلام سے ہماری زندگی کا گہرا تعلق ہے، کیونکہ ہمارا دن داؤد علیہ السلام کے ذکر کے بغیر گذر سکتا ہے، ہمارا دن سلیمان علیہ السلام کے ذکر کے بغیر گذر سکتا ہے لیکن ہمارا دن ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے بغیر گذر ہی نہیں سکتا۔ صحیح بخاری حدیث نمبر 3370 کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے ہمیں ہر نماز میں یہ درود

ابراہیمی پڑھنے کا حکم دیا ہے: " اللهمَّ صلِّ على محمدٍ وعلى آلِ محمدٍ ، كما صلَّيتَ على إبراهيمَ ، وعلى آلِ إبراهيمَ ، إنكَ حميدٌ مجيدٌ - اللهمَّ بارِكْ على محمدٍ وعلى آلِ محمدٍ ، كما باركتَ على إبراهيمَ وعلى آلِ إبراهيمَ ، إنكَ حميدٌ مجيدٌ " اے اللہ! حضرت محمد ﷺ اور آپ کی آل پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل و اولاد پر رحمت نازل فرمائی تھی، بلا شبہ تو خوبیوں والا، عظمت والا ہے۔ اے اللہ! حضرت محمد ﷺ اور آپ کی ازواج و اولاد پر برکت نازل فرما جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور ان کی آل و اولاد پر برکت نازل فرمائی تھی بلاشبہ تو خوبیوں والا

عظمت والا ہے۔"یعنی درود ابراہیم کا ذکر جب تک ہم نہیں کریں گے تو ہماری نماز مکمل ہی نہیں ہوتی، شیخ البانی رحمہ اللہ نے یہاں تک فتوی دیا ہے کہ درود ابراہیمی صرف چوتھی رکعت یا تیسری رکعت میں پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ دوسری رکعت کے تشہد میں بھی پڑھنا واجب ہے" (كتاب صفة صلاة النبي –صلى الله عليه وسلم– من التكبير إلى التسليم كأنك تراها، للعلامة محمد ناصر الدين الألباني ، الصفحة : 164 –165)

سورہ توبہ سورہ نمبر 9 اور آیت نمبر 36 کے مطابق جن ایام سے ہم گذر رہے ہیں یہ حرمت والے دن ہیں اور یہ مہینے بعض حرمت والے مہینوں میں سے ہیں، ذی

الحجہ کا مہینہ بڑی حرمت والا ہے، اور اس حرمت والے مہینہ میں بھی ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن بڑی فضیلت والے دن ہیں، آج جو جمعہ کا دن ہے وہ بھی بڑی فضلیت والا دن ہے، تین تین فضیلتیں جمع ہو چکی ہیں 1۔ پہلی فضیلت حرمت والے مہینے کی 2۔ دوسری فضیلت ذی الحجہ کے دس دن کی 3۔ تیسری فضیلت جمعہ کے دن کی ہے، ایسے وقت میں ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ " اے اللہ سبحانہ وتعالیٰ تو ہمیں اپنے محبوب بندوں میں شامل فرما "۔

ہمیں چاہیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی سے سبق اور نصیحت حاصل کریں:

1: پہلا سبق توحید:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا مطالعہ کیجئے، سورہ نحل سورہ نمبر 16 آیت نمبر 120 میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں" إِنَّ إِبۡرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا وَلَمۡ يَكُ مِنَ الۡمُشۡرِكِينَ" بے شک ابراہیم پیشوا اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور یک طرفہ مخلص تھے۔ وہ مشرکوں میں سے نہ تھے"۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک امت اور اکیلے بھی رہے تو توحید پر ڈٹے رہے۔لوگوں کو دیکھ کر پھسلنے کی ضرورت نہیں ہے،لوگوں کو دیکھ کر Compromise نہیں کر سکتے، حضرت ابرہیم علیہ السلام اکیلے تھے لیکن توحید کو انہوں نے اپنا لیا تھا، اکیلے بھی ہوں تو مفاہمت کرنے اور جھکنے

کی ضرورت نہیں ہے، شرک اور بدعت کے راستے پر ہم کبھی بھی نہیں جاسکتے۔

ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کا سب سے پہلا سبق توحید ہے، سارے انبیاء کرام آئے تو توحید پھیلانے کے لیے آئے ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی ساری زندگی لُٹادی شرک پھیلانے کے لیے نہیں توحید پھیلانے کے لیے۔ تاریخ گواہ ہے جس نے بھی توحید کو اپنا لیا وہ سرخرو ہوگیا، نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ہر جگہ دبایا جارہا تھا لیکن جب انھوں نے توحید کو مضبوطی سے تھام لیا تو وہ عرب اور عجم کے مالک بن گئے۔ اور تاریخ گواہ ہے جب بھی مسلمانوں نے شرک کا ساتھ دیا تو وہ تباہ و تاراج

ہوگئے۔ وہ بغداد کی سلطنت کیسی زبردست سلطنت تھی، لیکن جب انھوں نے خلقِ قرآن کے فتنے کا ساتھ دیا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ناموں اور صفات میں افراط و تفریط سے کام لیا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بغداد کی سلطنت کے پرخچے اڑادیے۔ وہ اسپین کی حکومت کیسی حکومت تھی، لیکن جب انھوں نے جہمیہ فرقے کو اپنے درمیان پنپنے کا موقع دیا اور توحیدِ اسماء و صفات میں مغالطہ کیا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسپین کی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ مغل سلطنت کیسی زبردست سلطنت تھی، آٹھ ممالک پر ان کا سکہ چلا کرتا تھا لیکن جب ان کے بادشاہ اور مولویوں نے مل کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات اور اس کے ناموں کو بانٹ لیا تو اللہ تعالی

نے انہیں بھی ان کی حیثیت دکھلائی۔ یہاں کے بادشاہوں نے اپنے لیے غیر مناسب القاب و صفات کا انتخاب کر لیا تھا مثلا ظلِ الٰہی، جہانگیر، عظیم الشان شہنشاہ اور شاہ جہاں وغیرہ؛ یہ وہ القاب ہیں جو کہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے لائق و زیبا ہیں۔ یہاں کے مولویوں نے بھی الٰہی نام بانٹ لیے تھے جیسے غریب نواز، بندہ نواز، غوث اعظم وغیرہ وغیرہ۔ جس ملک کے بادشاہ اور علماء مل کر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نام بانٹ لیں اور اللہ کی شان، اسماء و صفات نیز اس کی شریعت میں من مانی تحریف کریں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی حکومتوں کو زوال سے دوچار کر دیتا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اسلام کے نام پر غیر اسلام کبھی بھی پسند نہیں ہے، ایک آدمی یہ کھل کر اعلان کر دے کہ میں مسلمان نہیں ہوں پھر وہ جو چاہے کرے اس کے لیے اصول اور ضابطے الگ ہیں، اور اس کو تباہ کرنے کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے پاس اصول الگ ہیں۔ لیکن اگر کوئی آدمی کہتا ہے کہ میں مسلم ہوں لیکن شرک، بدعات پھیلاتا ہے، اور اسلام کے نام پر غیر اسلام پھیلاتا ہے، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو ایسے شخص کی ضرورت نہیں ہے، ایسی حکومتوں کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اگر ایسی حکومت رہے گی تو اسلام کے نام پر غیر اسلام پھیلائے گی جو کہ اللہ سبحانہ وتعالی کو سخت ناپسند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں جس کسی نے بھی توحید کا ساتھ

دیا اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اسے کامیاب کر دیا۔ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے توحید کا جھنڈا بلند کیا اور ان کا ساتھ دیتے ہوئے آلِ سعود نے کہا ہم اپنے لیے جلالۃ الملک کا لقب بھی پسند نہیں کرتے ہم تو خادم الحرمین و الشریفین کے لقب کو پسند کرتے ہیں تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کو بہت ساری کامیابیاں عطا کی، توحید کے چاہنے والوں کا انداز ہی کچھ الگ ہوتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم کو توحید کا داعی بنائے اور اسی پر مَر مٹنے والا بنائے۔ آمین

2: دوسرا سبق حقیقی معنوں میں "مسلم" ہونا:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: " مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (سورة آل عمران: 67) "ابراہیم تو نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو یک طرفہ (خالص) مسلمان تھے، وہ مشرک بھی نہیں تھے" ۔اس آیت میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اور ایک صفت "مسلم" کو اجاگر کیا ہے، مسلم کس کو کہتے ہیں؟ مسلم وہ ہے جو تابعداری میں لگ جائے، اطاعت میں اپنی زندگی لگا دے، اپنی خواہشات کو رب کی اطاعت کے لیے قربان کر دے۔ سچا مسلم کون ہے؟ سچا مسلم وہ ہے جو اگر زکوۃ ادا کرتا ہے تو اپنے مال کی قربانی دیتا ہے، اگر نماز پڑھتا ہے تو اپنے آرام کی قربانی دیتا ہے، اگر روزہ رکھتا ہے تو اپنے کھانے اور پینے کی قربانی دیتا ہے، اگر حج کے لیے کعبۃ اللہ جاتا ہے تو

اپنے گھر کے آرامدہ ٹھکانے اور بیڈروم کو چھوڑ کر سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے اور قیامِ عرفہ اور وقوفِ مزدلفہ کرتا ہے۔ کیونکہ مسلم کے ایمان میں یہ بات ہمیشہ رہتی ہے کہ میں نہ اپنی مرضی سے سوتا ہوں نہ اپنی مرضی سے چلتا ہوں، اور نہ ہی اپنی مرضی سے کہیں رکتا ہوں میری تمام تر مرضیات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مرضی پر قربان ہے۔ عربی زبان میں ایک لفظ بولا جاتا ہے "ناقة مسلمة"، عرب کے لوگ اس اونٹنی کو "ناقة مسلمة" کہتے تھے جو نہ اپنی مرضی سے بیٹھتی تھی اور نہ اپنی مرضی سے چلتی تھی بلکہ آقا کے حکم سے چلتی تھی، آقا کے حکم سے بیٹھتی تھی اور آقا کے حکم سے رکتی تھی، ایسی اونٹنی کو کہتے تھے کہ یہ "ناقة مسلمة" ہے۔ اگر

ہم بھی مسلم ہیں تو ہم کو بھی اپنی ساری خواہشات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حوالے کر دینی ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو اتنا بلند مقام کیوں ملا؟ کیونکہ وہ اپنی خواہشات کی قربانی دینے میں بڑے مخلص تھے۔ دس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دنیا میں جنت کی خوشخبری کیوں ملی؟ کیونکہ یہ ہر وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی خاطر قربانی دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دنیا ہی میں "رضی اللہ عنہم ورضواعنہ" کا لقب کیوں ملا؟ کیونکہ وہ ہر وقت اپنی خواہشات کی قربانی دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔ مگر تھوڑا سا جائزہ لیجئے اپنی زندگیوں کا، جب

تک ہمیں اسلام کے نام پر عزت ملتی ہے تو ہم اپنے آپ کو مسلم مسلم کہتے تھکتے نہیں ہیں، دعوت کے کام میں بھی آگے رہتے ہیں، لیکن جب مصیبتیں آنا شروع ہو جاتی ہیں، تکلیفیں آنا شروع ہو جاتی ہیں، تو لوگ کہنے لگ جاتے ہیں کہ یہ بڑا بے وقوف آدمی ہے؛ ہم پہلے ہی سے کہہ رہے تھے کہ اتنا بھی زیادہ دعوت کا کام مت کرو، اتنا زیادہ دین کا کام مت کرو، دیکھو اب پولیس کے چکر میں پھنس گیا ہے۔! لہذا جب تک آرامدہ اور پُر امن ماحول سے نکل کر قربانیاں دینے کی عادت نہ ہو گی اس وقت تک بلند مقام حاصل نہیں ہو گا، آدمی جب تک ہر معاملہ میں جیسے عبادات، معاملات اور اخلاقیات وغیرہ میں اپنی خواہشات کی قربانی نہیں دے گا اسے رب کی

رضا حاصل نہیں ہو گی۔ رب کی رضا کی خاطر حرام چیزوں کی قربانی دینی پڑے گی، شرک میں کچھ لذت ہے لیکن اس لذت کو چھوڑنا پڑے گا، بدعتوں میں کچھ لذت ہے لیکن اسے چھوڑنا پڑے گا اور گناہوں میں بھی لذت ہے لیکن اسے بھی چھوڑنا پڑے گا۔

3: تیسرا سبق حنیفیت:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: " مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (سورة آل عمران: 67) " ابراہیم تو نہ یہودی تھے نہ نصرانی تھے بلکہ وہ تو یک طرفہ (خالص) مسلمان تھے، وہ مشرک بھی نہیں تھے" ۔ حنیف "کا مطلب" یکسو "ہے، یعنی عبادت صرف اللہ

سبحانہ وتعالیٰ کے لیے، کسی اور مقصد کے لیے نہیں، اپنی واہ واہ کے لیے نہیں، اپنے نفس کے لیے نہیں، لوگوں کو خوش کرنے کے لیے نہیں، خاندان کو خوش کرنے کے لیے نہیں، صرف اور صرف اللہ کو خوش کرنے کے لیے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے، جب حق کے معاملے میں ڈٹ جاتے تو ساری دنیا انہیں راہِ راست سے نہیں ہٹا سکتی تھی۔

جو لوگ دین کا نام لے کر اپنے نفس کو خوش کرنے کے لیے یا اپنی عزت معاشرے میں بنانے کے لیے دین پر چلتے ہیں، دعوتِ دین کا فریضہ انجام دیتے ہیں، یا پھر دین کا کام کرتے ہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایسے بندوں کے بارے میں کہتا ہے " ترکتُه وشركَه " (صحیح

مسلم:2985) "میں اسے اس کے شرک کی مِلاوٹ
کے ساتھ اکیلا چھوڑ دیتا ہوں۔" اللہ تعالی فرماتے ہیں
مجھے ایسا بندہ بھی نہیں چاہئے اور نہ ہی ایسے بندہ کا عمل جو
میرے ساتھ کسی اور کو خوش کرنے کے لیے عبادت
کرتا ہے، میرے علاوہ کسی اور کو دکھانے کے لیے عمل
کرتا ہے۔ ہماری زندگیوں کا کیا حال ہے؟ ہم کبھی کچھ
نیک کام کرلیتے ہیں لوگوں کی خاطر اور کبھی کچھ چھوڑ
دیتے ہیں لوگوں کی خاطر۔۔۔۔ ایسے اعمال سے بھی
شرک کی بو آتی ہے۔ ہمارا نفس مطالبہ کرتا ہے کہ اس
کے لیے بھی کچھ کیا جائے، ہم کو چاہئے کہ اس کے لیے
ایک دعا کریں" ونعوذُ باللہِ من شرورِ أنفسنا "
(سنن ابو داود: 2118) "اے اللہ ہم ہمارے

نفسوں کے شر سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں" کیونکہ ہمارا (برا) نفس ہی ہم کو ذلیل کرتا ہے، یہ نفس جب کمزور پڑ جاتا ہے تو شیطان کے لیے آسان ہو جاتا ہے کہ وہ ہر قسم کا حملہ کرے: " الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ" (سورۃ الناس: 5) "جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ ڈالتا ہے"۔

عقلمندی اسی میں ہے کہ ہم سارے نیک کام صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے کریں، کیونکہ اللہ تعالی کے علاوہ ہم جس کسی کے لیے بھی کچھ کرتے ہیں تو کل کے دن وہ مرنے والا ہے، وہ نہ جنت کا مالک ہے اور نہ جہنم اس کی ہے، اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ عبادت اور نیک کام

خالص اس ذات کے لیے کرو جو کبھی مرنے والا نہیں ہے، جس کے ہاتھ میں جنت و جہنم کا فیصلہ اور اختیار ہے، جو ہمارا اور ساری مخلوقات کا خالق و رازق ہے۔

4: چوتھا سبق حضرت ابراہیم علیہ السلام مثالی باپ اور مثالی بیٹے تھے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مثالی بیٹے کا کردار ہم قرآن مجید میں سورہ مریم سورہ نمبر 19 آیت نمبر 42 سے لے کر 50 تک دیکھ سکتے ہیں، اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے: "

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا (42) يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي

أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا (43) يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ
الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا
(44) يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ
الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا (45) قَالَ
أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ لَئِن لَّمْ
تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا (46) قَالَ
سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي
حَفِيًّا (47) وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِن دُونِ
اللَّهِ وَأَدْعُو رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي
شَقِيًّا ﴿٤٨﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ
اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا
نَبِيًّا ﴿٤٩﴾ وَوَهَبْنَا لَهُم مِّن رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ
لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾)"جبکہ انہوں نے اپنے باپ

سے کہا کہ ابّا جان! آپ ان کی پوجا پاٹ کیوں کر رہے ہیں جو نہ سنیں نہ دیکھیں؟ نہ آپ کو کچھ بھی فائدہ پہنچا سکیں۔ میرے مہربان باپ! آپ دیکھیئے میرے پاس وہ علم آیا ہے جو آپ کے پاس آیا ہی نہیں، تو آپ میری ہی مانیں میں بالکل سیدھی راہ کی طرف آپ کی رہبری کروں گا۔ میرے ابّا جان آپ شیطان کی پرستش سے باز آجائیں شیطان تو رحم وکرم والے اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی نافرمان ہے۔ ابّا جان! مجھے خوف لگا ہوا ہے کہ کہیں آپ پر کوئی عذاب الٰہی نہ آپڑے کہ آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔ اس نے جواب دیا کہ اے ابراہیم! کیا تو ہمارے معبودوں سے روگردانی کر رہا ہے۔ سن اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھروں سے مار ڈالوں گا، جا ایک

مدت دراز تک مجھ سے الگ رہ۔ کہا اچھا تم پر سلام ہو، میں تو اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی دعا کرتا رہوں گا، وہ مجھ پر حد درجہ مہربان ہے۔ میں تو تمہیں بھی اور جن جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو انہیں بھی سب کو چھوڑ رہا ہوں۔ صرف اپنے پروردگار کو پکارتا رہوں گا، مجھے یقین ہے کہ میں اپنے پروردگار سے دعا مانگ کر محروم نہ رہوں گا۔ جب ابراہیم (علیہ السلام) ان سب کو اور اللہ کے سوا ان کے سب معبودوں کو چھوڑ چکے تو ہم نے انہیں اسحاق ویعقوب (علیہما السلام) عطا فرمائے، اور دونوں کو نبی بنا دیا۔ اور ان سب کو ہم نے اپنی بہت سی رحمتیں عطا فرمائیں اور ہم نے ان کے ذکر جمیل کو بلند درجے کا کر دیا"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کو توحید کی دعوت دے رہے ہیں، کیا ہی خوبصورت اور ادب و اخلاق سے بھرپور انداز و اسلوب ہے، ماشاء اللہ۔ لیکن آج کل ہمارے نوجوانوں کا کیا حال ہے؟ وہ جب راہِ توحید پر آجاتے ہیں اور ان کے ماں باپ ابھی توحید قبول نہیں کرتے تو وہ ان کے پاس جا کر بڑی آواز میں اور بدتمیزی کے ساتھ کہتے ہیں "تم کو کیا ہو گیا ہے؟ تم ابھی شرک پر ہو؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ دعوت کا طریقہ ہی نہیں ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دعوتِ دین کا طریقہ بتلایا ہے، اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے: " ادۡعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالۡحِكۡمَةِ وَالۡمَوۡعِظَةِ الۡحَسَنَةِ وَجَادِلۡهُم بِالَّتِي هِيَ أَحۡسَنُۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعۡلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن

سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ "(النحل:125)

اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے، یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی پورا واقف ہے"۔ حکمت اور نصیحت کے ذریعہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف بلانا ہے، " بالتذلیل " نہیں، تذلیل کرکے نہیں۔ ذلیل کر کے، مدعو کی عزت اُچھال کر دعوت دینا اسلام کا Concept نہیں ہے، کسی کو حقارت سے دیکھنا ہمارا دستور نہیں ہے۔ نبیوں کا طریقہ یہ ہے کہ حکمت سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف بلایا جائے۔ اگر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو توحید کی توفیق

دی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ دوسروں کا مذاق اڑاتے پھریں، ہمدردی کیجئے، ان کے ساتھ نرمی برتیے، ایسی ہمدردی کیجئے جیسے اللہ سبحانہ وتعالی نے خود کہا: (فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا) (سورۃ الکھف:6) " پس اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائیں تو کیا آپ ان کے پیچھے اسی رنج میں اپنی جان ہلاک کر ڈالیں گے؟ " ۔ ایسی ہمدردی اختیار کیجئے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کی تھی، گویا پتنگے آگ میں جارہے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پکڑ پکڑ کر بچارہے ہیں۔ کیونکہ آدمی جیسے سوچتا ہے ویسے الفاظ اس سے نکلتے ہیں، اگر وہ مدعو کو گرا کر اس سے متعلق حقارت

بھری سوچ رکھے تو اس سے بات کرنے کا لہجہ بھی ذلیل کرنے والا ہو جاتا ہے، لیکن اس کے برخلاف اگر آدمی میں ہمدردی ہو گی تو اس کے سمجھانے میں بڑی حکمت پیدا ہو جاتی ہے اور اِسی طریقے میں کامیابی ہے۔ جو ذلیل کر کے اصلاح کرتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے، کامیابی صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے مِلتی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام مثالی باپ بھی تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہترین باپ کا رول بھی ادا کیا ہے۔ سورہ صافات سورہ نمبر 37 میں آیت نمبر 102 سے لے کر 107 تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے بیٹے کی

تربیت کرنے کا جو انداز ہے وہ بے مثال ہے۔ اللہ سبحانہ

وتعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ

يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ

مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ

سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ

(102)فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ (103)

وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ (104) قَدْ صَدَّقْتَ

الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (105)

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ﴿١٠٦﴾ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ

عَظِيمٍ ﴿١٠٧﴾) "پھر جب وہ (بچہ) اتنی عمر کو پہنچا کہ اس

کے ساتھ چلے پھرے، تو اس (ابراہیم علیہ السلام) نے

کہا میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے

ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اب تو بتا کہ تیری کیا

رائے ہے؟ بیٹے نے جواب دیا کہ ابا! جو حکم ہوا ہے اسے
بجا لائیے ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں
سے پائیں گے۔ غرض جب دونوں مطیع ہو گئے اور اس
نے (باپ نے) اس کو (بیٹے کو) پیشانی کے بل گرادیا۔ تو
ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم!۔ یقیناً تو نے اپنے
خواب کو سچا کر دکھایا، بیشک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی
طرح جزا دیتے ہیں۔ درحقیقت یہ کھلا امتحان تھا۔ اور ہم
نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا"۔ سبحان
اللہ! کیا پیارا انداز ہے، آج ہم اپنے بیٹے کو نماز کے لیے
بلاتے ہیں تو بڑی سختی سے اور ڈراتے ہوئے کہتے ہیں چل
نماز کی طرف۔۔۔! مسئلہ یہ ہے کہ جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو
گے، اگر ہم اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ سخت لہجہ

استعمال کریں گے تو بچے بڑے ہو کر ویسا ہی رویہ اور لہجہ خود ماں باپ کے ساتھ اپنائیں گے۔ اگر والدین شریفانہ انداز میں گفتگو کریں گے تو بچہ بھی شریف بنے گا۔ آم کے درخت پر آم ہی لگتا ہے، اور بچہ باپ کا رازدار ہوتا ہے، بچہ جب باہر نکلتا ہے تو اپنی حرکتوں سے باپ کی تربیت کا راز کھول دیتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کہہ رہے ہیں " وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ (سورة البقرة: 124) "جب ابراہیم ﴿علیہ السلام﴾ کو ان کے رب نے کئی کئی باتوں سے

آزمایا اور انہوں نے سب کو پورا کر دیا تو اللہ نے فرمایا کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنا دوں گا، عرض کرنے لگے: اور میری اولاد کو، فرمایا میرا وعدہ ظالموں سے نہیں"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ سبحانہ وتعالی کی ہر آزمائش میں کامیاب ثابت ہوئے۔ ہم مسلمانوں پر چند آزمائشیں آتی ہیں تو ہم اس پر پورے نہیں اُترتے اور توحید میں بھی Compromise کر لیتے ہیں، نہیں ہرگز نہیں۔۔ ہم کو اور زیادہ ثابت قدمی دکھانی چاہیئے۔ اسلام وہ پودا ہے جس کو کاٹو گے تو ہَرا ہو جائے گا، پھَلے گا اور پھُولے گا۔ لہذا گھبرانے اور حالات سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس آیتِ کریمہ میں کہہ رہے ہیں کہ اے ابراہیم (علیہ

السلام)! تیری نسل میں اگر کوئی شرک کرے گا تو کبھی اسے امامت کا عہدہ و منصب نہیں ملے گا۔ آج لوگ شرک کر کے طاقت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور شرک کے نام پر اتحاد حاصل کرنا چاہتے ہیں، یہ اتحاد نقلی اتحاد ہے ایسا ہو ہی نہیں سکتا، اور اس پر کامیابی مل ہی نہیں سکتی۔

ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے مل کر ایسی قربانی دی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کہہ رہے ہیں " إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ " " یہ تو کھلی آزمائش تھی " حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام دونوں اس امتحان میں کھرے ثابت ہو گئے، لہذا

اب اس کے بدلہ میں قیامت تک لوگ قربانی کریں گے اور ساری دنیا میں ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کو یاد کیا جائے گا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنتیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو کتنی زیادہ پسند ہیں۔ اور ہم کہتے ہیں کہ " داڑھی رکھنا سنت ہی ہے نا" نہ رکھی جائے تو کیا ہو گا؟ اس طرح ہم بہت ساری سنتوں کو سنت سمجھ کر چھوڑ رہے ہیں، یہ سنتیں چھوڑتے چھوڑتے ہم فرائض بھی چھوڑتے چلے جارہے ہیں اور ہمیں احساس تک نہیں ہو رہاہے۔ اگر ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے محبوب بندوں میں شمار ہونا چاہتے ہیں تو فرائض کے ساتھ ساتھ سنتوں کو اپنانا پڑے گا۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنتوں کو

اپنانے کی کوشش کیجئے ان شاء اللہ کامیاب ہو جائیں گے۔

5: پانچواں سبق امن پسندی:

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ اور ہر جگہ امن پسند تھے، امن کے لیے دعائیں کرتے تھے۔ سورہ بقرہ سورہ نمبر 2 آیت نمبر 125 سے لیکر 127 تک ابراہیم علیہ السلام کی دعائے امن کا ذکر ہے، اور سورہ ابراہیم سورہ نمبر 14 آیت نمبر 35 میں بھی یہی دعا دہرائی گئی ہے لیکن ان دونوں دعاؤں میں ذرا فرق ہے، پہلی دعا مکہ شہر بننے سے پہلے کی دعا ہے جو کہ سورہ بقرہ میں ہے اور

مکہ شہر بننے کے بعد کی دعا سورہ ابراہیم میں ہے۔ پہلی دعا سورہ بقرہ میں اس طرح ہے اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے : " وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُم بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ قَالَ وَمَن كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ" جب ابراہیم نے کہا، اے پروردگار! تو اس جگہ کو امن والا شہر بنا اور یہاں کے باشندوں کو جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہوں، پھلوں کی روزیاں دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں کافروں کو بھی تھوڑا فائدہ دوں گا، پھر انہیں آگ کے عذاب کی طرف بے بس کر دوں گا، یہ پہنچنے کی جگہ بری ہے"۔ آج ISIS کے نام پر Nonsense کام ہو رہے ہیں، اسلام کے نام پر

غلط کام ہو رہے ہیں، حتی کہ مکہ شہر کو بھی تباہ کرنے کی کوشش کی گئی، ایسے لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوں گے جو نوجوانوں کو گمراہ کر رہے ہیں، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ شہر بننے کے بعد بھی دعا کی تھی۔ اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے:"

وَإِذْقَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ"(ابراہیم کی یہ دعا بھی یاد کرو) جب انہوں نے کہا کہ اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنادے، اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے پناہ دے"۔ پہلی دعا میں " ھذا ابلداً" تھا اور اس دعا میں "ھذا البلد" ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی، جس کا ذکر سورہ آل عمران سورہ نمبر 3 کی آیت نمبر 97 میں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے: "فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ" جس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، اس میں جو آجائے امن والا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا گیا ہے۔ اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ تعالیٰ (اس سے بلکہ) تمام دنیا سے بے پرواہ ہے"۔ جو بھی مکہ یا حرم شریف میں داخل ہو جائے گا وہ محفوظ رہے گا تمام فتنوں سے ؛زلزلوں سے، دجال کے شر

وفتنہ سے۔ قیامت تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ مکہ والوں کو بڑی بڑی مصیبتوں سے بچائے گا۔ اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشادہے: " وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ - وَطُورِ سِينِينَ - وَهَٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ۔(سورۃالتین:1-3) "قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی۔ اور طور سِینِین کی۔ اور اس امن والے شہر کی"۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مکہ شہر کو محفوظ شہر کہاہے۔ اس پر حملہ کرنے والے اور بدامنی پھیلانے والے کبھی کامیاب نہیں ہوں گے بلکہ وہ خود تباہ ہوجائیں گے، کیونکہ مکہ اور مدینہ دونوں حرمین میں اللہ کا ذکر کرنے والے اور عبادتیں کرنے والے موجودہیں، جب یہاں پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت اور اس کا ذکر ختم ہوجائے گا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ قیامت قائم کر دیں

گے، اس وقت دنیا میں لا الہ الا اللہ کہنے والے نہیں ہوں گے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اس دنیا اور کائنات کی کوئی ضرورت نہیں ہو گی۔

6: چھٹا سبق اتحاد:

جمعیت اہل حدیث ایسے کسی اتحاد کو نہیں مانتی جو کسی سیاسی بنیاد پر ہو، یا شرک وبدعات کے نام پر ہو۔ شرک وبدعات کے داعیان اور موحدین باہم شیر وشکر نہیں ہو سکتے۔ ایسا کوئی بھی اتحاد اور اس کا دعوی نقلی، عارضی اور دل کے بہلانے کو اچھا خیال ہے۔ جمعیت اہل حدیث اس عظیم اتحاد پر کام کر رہی ہے جو اصلی اتحاد ہے، جس

کا سبق ہمیں انبیاء کرام علیہم السلام نے دیا ہے، جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہمیں سکھایا ہے، یعنی کتاب و سنت کی بنیاد پر اتحاد، کتاب وسنت پر ہی اتحاد ممکن ہے ورنہ نہیں، باقی سب تو بس خالی دعوے اور زبانی جمع خرچ ہے۔ لوگ کہیں گے کہ بھائی! اتنی جماعتیں آپس میں مل رہی ہیں تو ہم بھی ان کے ساتھ آپس میں معاہدہ کر لیتے ہیں جیسے نبی اکرم ﷺ نے یہودیوں کے ساتھ کیا تھا، حالانکہ مسلمانوں کا اور یہودیوں کا عقیدہ الگ تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر اتحاد نہیں ہوا تھا بلکہ معاہدہ ہوا تھا۔ اگر اتحاد ہو گا تو صرف ایک ہی شرط ہے وہ ہے قرآن وسنت، نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کے طریقے کے مطابق اتحاد ہو گا اس

کے علاوہ کوئی اور راستہ اتحاد قائم کرنے کا نہیں ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: " مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ "" دین اپنے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کا قائم رکھو" ۔ یہاں پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ " ملل ابیکم ابراهیم " "حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کئی ملتیں ہیں"۔ اس لیے جب ملت ایک ہے تو اس کی بنیاد بھی ایک ہی ہے۔

7۔ساتواں سبق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ریسرچ مائنڈ Research Mind تھا:

ابراہیم علیہ السلام ہدایت کی تلاش میں جستجو و تحقیق کر رہے ہیں، ابراہیم علیہ السلام کے والد شرک اور کاروبار شرک میں ملوث ہیں تو کیا ابراہیم علیہ السلام نے بھی شرک کیا؟ کیا انھوں نے کہا کہ بتوں کی پوجا ہمارے خاندان سے چلی آرہی ہے، میں بھی شرک کروں گے؟ ایسا نہیں ہے۔ آج کل ہمارے پاس کہانی یہ ہے کہ آباء و اجداد سے بدعتیں چلی آرہی ہیں تو ہم بھی انہیں بدعتوں کو آگے چلارہے ہیں۔ یہ تحقیقی ذہن کے خلاف ہے، آباء و اجداد شرک کر رہے ہیں تو کیا ہم بھی شرک کریں گے؟ نہیں ہر گز نہیں۔ پھر کیا مسئلہ ہے؟ مسئلہ یہ ہے کہ اگر حق بات ہو تو آباء و اجداد کے بھی خلاف جانا پڑے گا۔ آج مسلمانوں میں ریسرچ پوائنٹ ختم ہو رہا

ہے، دنیوی معاملات میں بھی اور دینی معاملات میں بھی۔ ہمارے دینی معاملات میں بے شمار بدعتیں پائی جاتی ہیں اور ہم شرک کے دلدل میں بھی پھنسے ہوئے ہیں۔ کب تحقیق کریں گے؟ اور کب باہر نکلیں گے؟ اسی طرح دنیوی معاملات میں بھی آپ دیکھ لیجئے! ریسرچ والے معاملات میں مسلمان پسماندہ ہیں، انہیں شرعی اور عصری ہر دو تقاضوں کے مطابق میدان تحقیق میں آگے بڑھنا ہے، ہر وہ تحقیق جو جائز، مثبت، صحیح اور شریعت کے دائرے میں ہے ایسے ہر معاملے میں مسلمانوں کو اپنے قدم آگے بڑھانا ہے۔

8: آٹھواں سبق مجادلہء حسنہ:

" مجادلہ ءحسنہ "یا" محاجّہ ءحسنہ "کا معنی یہ ہے کہ آدمی
ادب کے دائرے میں رہ کر علمی بحث کرے۔ مسلم قوم
کو علمی بحث کے لیے تیار کرنا بے حد ضروری ہے، جو
اعتراضات مسلمانوں پر ہو رہے ہیں ان اعتراضات کے
جوابات اس منبر سے سکھانا بے حد ضررو ی ہے۔ نیز
دعوت اور مجادلہ کا فرق سمجھنا بھی ضروری ہے دعوت
صرف کتاب وسنت کی ہوگی اور اس کے علاوہ کسی کی
نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا ہے: (يَا
أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن
لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ
مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ)
(سورة المائدة: 67) "اے رسول! جو کچھ بھی
آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا

ہے پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت ادا نہیں کی، اور آپ کو اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچا لے گا بے شک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا"۔ اللہ سبحانہ وتعالی کا حکم ہے کہ جو نازل ہو رہا ہے وہ پہونچا دیجئے، نازل ہونے والی وحی صرف کتاب و سنت ہے اور دعوت بھی صرف اسی کی ہوگی۔ لیکن مجادلہ کا مطلب ہے کہ سامنے والا جس انداز میں حملہ کرتا ہے اس کو اسی کے انداز میں جواب دیا جائے بشرط یہ کہ شریعت کی مخالفت نہ ہو، شریعت کے دائرے میں رہ کر جس لیول پر حملہ ہوتا ہے اس لیول پر جواب دیا جائے۔ جیسے کوئی انگلش میں اعتراض کرتا ہے تو اس کو اسی کی زبان میں جواب دیجئے، کوئی اخبارات کے ذریعہ اسلام

پر حملہ کر رہا ہے تو اخبارات کے ذریعہ اور صحافیانہ لب و لہجے میں اسے جواب دیا جائے، اگر مدِّ مقابل ٹی۔وی چینل سے اسلام پر اعتراض کر رہا ہے تو اس کا جواب ٹی چینل کی سطح پر پہنچنا چاہیے، اگر کوئی سوشل میڈیا اور موجودہ ٹیکنالوجی استعمال کرتے ہوئے اعتراضات کر رہا ہے تو اس کا جواب اسی ٹیکنالوجی کے ذریعہ دینا اور حقِ دفاع ادا کرنا چاہیے۔اس میں ایک اسلوب ہے اس کو کہا جاتا ہے For the sake of argument اس کا مطلب ہے کہ گفتگو کے دوران جب سامنے والا حملہ کرتا ہے تو اس میں دو طریقے ہوتے ہیں، اسے ہم اچھی طرح سمجھیں اور لوگوں کو سمجھائیں ورنہ کیا ہو گا؟ ہماری قوم آہستہ آہستہ پَسپا ہو جائے گی۔ امریکہ میں ایک شہر

ہے جس کا نام نیو جرسی ہے، اس میں کئی ایسے عرب ہیں جو مُرتَد ہو کر عیسائی بن چکے ہیں۔ کوسٹل آندھرا کے علاقے میں تین لاکھ سے زائد مسلمان اِرتداد کے قریب پہونچ چکے ہیں، ان کے گھروں میں مورتیاں پائی گئیں ہیں۔ اور ہماری کئی مسلم بچیاں غیر مسلموں سے شادی رَچا کر بھاگ رہی ہیں۔ جب ہم باطل کے سامنے ہی ڈھیر ہو گئے ہیں تو باطل کو کب سمجھائیں کہ اے کافر! اگر تو ایسے حالتِ کفر میں اس دنیا سے چلا گیا تو آخرت کے دن جہنم میں جائے گا۔ ہمیں مؤثر بننا تھا ہم خود متاثر ہو گئے، ہمیں تو لوگوں کو باطل کے نَرغے سے باہر نکالنا ہے لیکن ہم خود آج باطل کے سامنے ڈھیر ہو چکے ہیں۔ قوم ڈھیر کب ہوتی ہے؟ اور پَسپا کب ہوتی ہے؟ قوم پَسپا

اس وقت ہوتی ہے جب وہ خود اپنے دین اپنی پہچان سے بے گانہ ہو جاتی ہے اور اسے مخالفین اسلام کے اٹھائے گئے اعتراضات کے جوابات تک معلوم نہیں ہوتے۔ اس کے دو نقصانات ہیں، 1۔ پہلا نقصان یہ ہے کہ آدمی جذبات میں آکر تشدد کا راستہ اختیار کرلیتا ہے، 2۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ اعتراضات کا جواب نہ پا کر اس سے متاثر ہو جاتا ہے اور اسی کو قبول کرلیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام وقت کے بادشاہ کے سامنے ہیں اور بادشاہ سے سوالات اور جوابات ہو رہے ہیں۔ سورہ بقرہ سورہ نمبر 2 آیت نمبر 258 میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: "أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ

إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ "کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو سلطنت پا کر ابراہیم (علیہ السلام) سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا، جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے، وہ کہنے لگا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں، ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا اللہ تعالیٰ سورج کو مشرق کی طرف سے لے آتا ہے تو اسے مغرب کی جانب سے لے آ۔ اب تو وہ کافر بھونچکارہ گیا، اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا"۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کہنا یہ چاہتے ہیں کہ چلیے اگر میں پہلا

جواب زندہ کرنے اور موت دینے کے متعلق مان بھی لوں تو دوسرے سوال کا جواب کیا ہے؟ یہی ہے For the the sake of argument یہ ایسا ہے تو دوسرے سوال کا جواب کیا ہے؟ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فوراً ایک حجت قائم کی، اور کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اور مغرب میں ڈوباتا ہے اور اگر تو رب ہے تو اس کو مغرب سے نکال کر بتا "فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ" اس کی زبان بند ہو گئی۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور دوسرے علماء کرام کہتے ہیں جب بھی کوئی داعی Confident(خود اعتمادی) کے ساتھ ڈٹ جاتا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ سامنے والے کے دل میں خوف ڈال دیتے ہیں۔ آپ بھی ڈٹ جایئے علم

کی بنیاد پر جہالت کی بنیاد پر نہیں، حکمت اور نصیحت کی
بنیاد پر ڈٹ جایئے تذلیل یا حقارت کی بنیاد پر نہیں، ان
شاء اللہ تب اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مدد ضرور آئی گی۔ اور
ایسا ہی ہوا، سورہ انعام سورہ نمبر 6 آیت نمبر 76 سے لے
کر 78 تک اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے: " فَلَمَّا جَنَّ
عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا
أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ (76) فَلَمَّا رَأَى
الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن
لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ
(77) فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا رَبِّي
هَٰذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ
مِّمَّا تُشْرِكُونَ (78) " پھر جب رات کی تاریکی ان پر
چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا آپ نے فرمایا کہ یہ

میرا رب ہے مگر جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا
کہ میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔ پھر
جب چاند کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے
لیکن جب وہ غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو
میرے رب نے ہدایت نہ کی تو میں گمراہ لوگوں میں
شامل ہو جاؤں گا۔ پھر جب آفتاب کو دیکھا چمکتا ہوا تو
فرمایا کہ یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے پھر جب وہ
بھی غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا بے شک میں تمہارے
شرک سے بیزار ہوں"۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے
دیکھا کہ تارہ طلوع ہوا تو آپ علیہ السلام نے ایک
طریقہ اپنایا، قوم والوں سے کہا کہ اے قوم والو! یہ تارہ
اگر میرا رب ہے تو یہ غائب کہاں ہو جاتا ہے؟ وہ کون

ہے جو تارے کو غائب کر رہا ہے؟ اس کو کہتے ہیں سوال کھڑا کرنے کا طریقہ interrogative method مخاطب کے ذہن میں سوچ اور سوال پیدا کر دینا۔ پھر جب چاند کو دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے، لیکن جب یہ بھی غائب ہو گیا تو کہا کہ کوئی ہے جو اس کو بھی غائب کر رہا ہے۔ جب سورج کو دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے کیونکہ یہ بہت بڑا ہے، لیکن جب یہ بھی غائب ہو گیا تو کہا کہ اے میری قوم! میں بَری ہوں اس چیز سے جس کی تم عبادت کر رہے ہو اور اس سے بھی جسے تم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا رہے ہو۔

آج کے دور میں اگر مسلمان غدار ہیں تو پھر بتلاؤ تو صحیح!

سب سے پہلے انگریزی حکومت کے خلاف فتویٰ دینے والے کوئی ہندو تو نہیں تھے؟ کوئی عیسائی تو نہیں تھے؟ وہ مسلمان تھے، علامہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ محدث دہلوی نے سب سے پہلے فتویٰ دیا کہ انگریزوں کو مار کر بَھگانا ضروری ہے، ان ظالموں کو یہاں سے نکالنا ضروری ہے اور مظلوموں کا ساتھ دینا ضروری ہے۔ 1707 میں یہ فتویٰ منظر عام پر آیا، لیکن اس کے بعد سے 1947 تک اس تحریک میں دوسرے مذاہب والے بھی شریک ہوئے، آزادی کی سب سے پہلی شروعات کرنے والے مسلمان تھے۔ اہل حدیث کے علماء کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا، ہزاروں علمائے کرام نے جامِ

شہادت نوش کیا، تب جاکر ہندوستان کو آزادی ملی۔
انڈیا گیٹ پر جتنے لوگوں کے نام لکھے گئے ہیں ان کی
تعداد بہت ہے۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے ہندوستان کی
آزادی کے لیے اپنا خون بہایا تھا اور جب نام لکھنے کے
لیے پتھر کم پڑ گئے تو ایک ویب سائیٹ ان کے نام لکھنے
کے لیے بنائی گئی، اس ویب سائٹ پر میں نے جب عام
مسلمانوں کے نام ٹائپ کیے تو 4 ہزار نام آئے، اور اگر
فرداً فرداً دیکھنے بیٹھ جائیں تو بہت سارے ایسے مسلمانوں
کے نام آئیں گے جنہوں نے آزادی کے لیے اپنا خون
بہایا تھا، ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ "ان الارض للہ" یہ
زمین ساری کی ساری اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ہے"۔ آزادی
میں ہمارا رول ہے۔

ہمارے بچوں کو بھی اس سے متعلق کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات سکھانے کی ضرورت ہے، گھر واپسی کا مسئلہ ہو تو آپ سکھلایئے کہ اسلام کا یہ اصول ہے: "لا اکراہ فی الدین "دین میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے، زور زبردستی سے کوئی مسلمان کسی کو کلمہ پڑھادے تو وہ مسلمان گنہگار ہو گا، اور اگر کوئی زور زبردستی سے کلمہ پڑھ بھی لے تو وہ اسلام میں کسی صورت مسلمان نہیں ہوتا، کیونکہ اس کے لیے نیت بھی ضروری ہے۔ دعوتِ دین میں زور زبردستی کسی نبی نے نہیں سکھلائی اور نہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کبھی ایسا کیا۔ اس لیے ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے بچوں

کو اور اپنی قوم کو مجادلہء حسنہ سکھائیں تا کہ ہمارے بچے
شکوک و شبہات اور بے جا اعتراضات کے آگے ڈھیر نہ
ہو جائیں بلکہ وہ اپنے دین اور اللہ کی شریعت پر فخر
محسوس کریں۔ اور اگر مخاطَب اسلام کو نہیں مان رہا ہے
تو ایسی صورت میں ہم اسے ذلیل نہیں کریں گے، اس پر
ظلم نہیں کریں گے، اسے پیار محبت کے ساتھ جواب
دیں گے۔ کوئی خودکشی کرنے جا رہا ہو تو سب مِل کر اس
کو بچاتے ہیں، اسی طرح ساری دنیا جہنم کے گڑھے میں
گرنے جا رہی ہے تو ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم ان کو جنت کا
راستہ دکھائیں، ہم مسلمان خود غرض (selfish)
نہیں ہیں اور ہم ہمدردی رکھتے ہیں۔ سب سے بڑی خیر
خواہی یہی ہے کہ ہم. اللہ کے بندوں کو اللہ سے قریب

کر سکیں، اللہ ہم تمام کو دعوت الی اللہ کے فریضے کو انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حج مبرور گویا کہ ایک نئی زندگی

عناصرِ خطبہ

تمہید

فضائلِ حج

پہلی فضیلت : رفث اور فسق سے پاک حج ؛صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کا کفارہ ہے

دوسری فضیلت:حج مبرور کا بدلہ جنت ہے

حج مبرور کا معنی و مفہوم

حج مبرور کی علامتیں

تیسری فضیلت:حج سے پچھلے گناہ معاف ہوتے ہیں

چوتھی فضلیت:حاجی اللہ کا مہمان ہے

اعمالِ حج کی فضلیت

حج کے شروط

پہلی شرط: اسلام

دوسری شرط: عقل

تیسری شرط: بلوغت

چوتھی شرط: آزادی

پانچویں شرط: مالی وبدنی استطاعت اور راستہ کا پرامن ہونا

سفرِ حج کے آداب

واجب اور ضروری آداب

مستحب آداب

تمہید:

اسلام کے پانچ اہم ترین اور بنیادی ارکان میں حج پانچواں رکن ہے، جس پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

اللہ کے نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

"بُنِيَ الإسْلَامُ على خَمْسٍ :شَهَادَةِ أنْ لا إلَهَ إلَّا اللّٰهُ وأنَّ مُحَمَّدًا رَسولُ اللّٰهِ، وإقَامِ الصَّلَاةِ، وإيتَاءِ الزَّكَاةِ، والحَجِّ، وصَوْمِ رَمَضَانَ"

ترجمہ:"اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے؛اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، حج

اور رمضان کے مہینہ کے روزے رکھنا۔ " (صحیح البخاري: 8)

حج اللہ تبارک و تعالیٰ کی نہایت پسندیدہ اور عظیم ترین عبادت ہے، یہ ایسی عبادت جو مالی بدنی قلبی اور روحانی تمام عبادات پر مشتمل ہے نیز یہ وحدت امت کا مظہر ہے۔

فضائلِ حج:

حج کی پہلی فضیلت: حج صغیرہ وکبیرہ تمام گناہوں کا کفارہ:

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:"**مَنْ حَجَّ فَلَمْ يَرْفُثْ، وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ**" ترجمہ: جس کسی

نے اخلاص نیت کے ساتھ حج کیا اور دورانِ حج جنسی تعلقات اور اس کی جزویات سے دور رہا اور ہر قسم کے گناہ سے بچتا رہا تو وہ ایسے لوٹے گا جیسے اس کی ماں نے اس کو آج ہی جنا ہو -(صحیح البخاری: 1521، وصحیح مسلم : 1350)

"انسان"،"نسیان"سے ماخوذ ہے، اور نسیان کے معنی ہیں بھول جانا،اسی وجہ سے انسان قبر اور جہنم کے عذابات ،جنت کی نعمتوں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے کو بھول کر گناہوں میں ڈوب جاتا ہے ۔ مگر چونکہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ "الذکر" یعنی (Reminder) ہیں جو انسا ن کو آخرت، قبر، جنت و جہنم کے عذابات اور نعمتوں کے

لیے یاد دہانی کا کام کرتے ہیں چنانچہ مذکورہ حدیث میں انسان کے لیے نبی کریم ﷺ نے ایک خوشخبری سنائی ہے کہ ہر وہ انسان جو حج کا مکلف ہو، کعبۃ اللہ کا رخ کرے اور مناسکِ حج ادا کرے تو وہ اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کرکے اپنے گھر ایسے لوٹتا ہے جیسے کہ آج ہی اس کی ماں نے اس کو جنم دیا ہو۔اس طرح حج کے بعد انسان ریفرش Refresh ہوکر اپنی نئ زندگی کا آغاز کرتا ہے۔

مذکورہ حدیث سے متعلق دو شبہات اور ان کا ازالہ:

عام طور پر جب یہ حدیث سنی سنائی جاتی ہے تو عام ذہنوں میں دو سوال آتے ہیں:

پہلا سوال: تو یہ کہ مذکورہ بالا حدیث کی رو سے

بندے کے صرف صغیرہ گناہ ہی معاف ہوتے ہیں یا کبائر

بھی معفو عنہ ہیں؟ کیونکہ عرفہ کے روزے کے تعلق

سے بہت ساری صحیح احادیث میں یہ فضیلت وارد ہے:

«يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ وَالْبَاقِيَةَ»

ترجمہ: عرفے کا روزہ اگلے اور پچھلے دو سالوں

کے گناہ ختم کر دیتا ہے-(صحیح مسلم: 1162)

مگر علمائے کرام نے بطور خاص یہاں پر یہ کہا کہ

عرفے کے دن کا روزہ رکھنے سے صرف صغائر ہی معاف

ہو سکتے ہیں کبائر معاف نہیں ہوتے۔ کبائر کے لیے

باقاعدہ اخلاصِ نیت کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے

معافی مانگنی ہوگی۔

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ سے اسی بابت استفسار کیا گیا تو شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا:

"ظاهر الحديث أن الحج يكفر الكبائر،وليس أن نعدو الظاهر الا بدليل وقال بعض العلماء : اذا كانت الصلوات الخمس لا تكفر الا اذا اجتنبت الكبائر وهي أعظم من الحج وأحب إلى الله فالحج من باب أولى، لكن نقول هذا ظاهر الحديث ولله تعالى في حكمه شؤون والثواب ليس فيه قياس"(فتاوى ابن عثيمين :21/40)

ترجمہ: حدیث کے ظاہری الفاظ پر غور کرنے سے یہی پتہ چلتاہے کہ حج مبرور کے ذریعہ کبائر بھی معاف

کر دیئے جاتے ہیں اور ہم بغیر دلیل کے حدیث کے ظاہری الفاظ سے نہیں ہٹیں گے ۔ بعض علماء کا یہ اعتراض ہے کہ پنج وقتہ نماز اللہ کے پاس حج سے زیادہ عظیم اور محبوب ہیں اوراس کی ادائیگی سے کبیرہ گناہ معاف نہیں ہوتے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حج کی ادائیگی سے کبیرہ گناہ معاف ہوجائیں گے ؟ لیکن ہم یہی کہیں گے کہ ظاہرِ حدیث سے یہی مفہوم نکلتا ہے یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مرضی ہے اور اس کی حکمت ہے وہی اپنی حکمتوں کو بہتر جانتا ہے (جس میں چاہے زیادہ ثواب دے دے اور جس میں چاہے ثواب کم کر دے) اور اس کے ثواب میں قیاس آرائیاں کرنا درست نہیں ہے۔

دوسرا سوال: یہ کہ مذکورہ بالا حدیث جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حاجی حج مبرور کے ذریعہ گناہوں سے ایسے پاک ہو جاتا ہے جیسے اس کی ماں نے اس کو ابھی جنا ہو تو یہ بات کسی اور عمل کے سلسلے میں بھی آئی ہے یا صرف حج کے بارے میں ہی آئی ہے؟

محدثین نے دراسہ کر کے کئی حدیثیں جمع کی ہیں اورانہوں نے کہا کہ کچھ اعمال ایسے ہیں جن کے تعلق سے یہ خوش خبری سنائی گئی ہے کہ جن کا کرنے والا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچے کی طرح ہو جاتا ہے ۔

1۔ پہلا عمل حج مبرور ہے جس کا مکمل بیان اوپر گذر چکا ہے۔

2۔ دوسرا عمل نفل نماز پڑھنے کے لیے وضو کرنا ، حالانکہ یہ فرض نماز کا وقت نہیں ہوتا، اگر کوئی صرف نماز پڑھنے کے لیے اچھی طرح وضو کرتا ہے اور اخلاصِ نیت کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے دو رکعت نماز پڑھتا ہے تو اس شخص کے بارے میں بھی نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: "رَجَعَ كَيَوم وَلَدَتْهُ أُمُّهُ" ترجمہ: وہ ایسے لوٹے گا جیسے کہ اس کی ماں نے اس کو آج ہی جنا ہے۔(تفسیر ابن کثیر: 52 / 3 عمدة التفاسير: 646 / 1 خلاصة حكم الحديث صحيح)

پوری حدیث کچھ اس طرح ہے ملاحظہ فرمائیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ

:أَتَانِي اللَّيْلَةَ رَبِّي تَبارَكَ وَتَعَالَى فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ، قَالَ: أَحْسَبُهُ قَالَ فِي الْمَنَامِ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ هَلْ تَدْرِي فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى ؟ قَالَ: قُلْتُ: لَا، قَالَ: فَوَضَعَ يَدَهُ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتَّى وَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ، أَوْ قَالَ: فِي نَحْرِي، فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ، قَالَ: يَا مُحَمَّدُ هَلْ تَدْرِي فِيمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلَى ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: فِي الْكَفَّارَاتِ، وَالْكَفَّارَاتُ: الْمُكْثُ فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ، وَالْمَشْيُ عَلَى الْأَقْدَامِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ، وَإِسْبَاغُ الْوُضُوءِ فِي

الْمَكَارِهِ، وَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ عَاشَ بِخَيْرٍ وَمَاتَ بِخَيْرٍ، وَكَانَ مِنْ خَطِيئَتِهِ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ"

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میرا بزرگ و برتر رب بہترین صورت میں میرے پاس آیا" مجھے خیال پڑتا ہے کہ آپ نے فرمایا: "- خواب میں - رب کریم نے کہا: اے محمد! کیا تمہیں معلوم ہے کہ ملأ اعلیٰ (اونچے مرتبے والے فرشتے) کس بات پر آپس میں لڑ جھگڑ رہے ہیں"، آپ نے فرمایا: "میں نے کہا کہ میں نہیں جانتا تو اللہ نے اپنا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے بیچ میں رکھ دیا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنی چھاتیوں کے درمیان محسوس کی، یا اپنے سینے میں یا نحری کہا، (ہاتھ کندھے پر رکھنے کے بعد) آسمان اور زمین میں جو کچھ

ہے، وہ میں جان گیا، رب کریم نے فرمایا: اے محمد! کیا تم جانتے ہو ملأ اعلی میں کس بات پر جھگڑا ہو رہا ہے، (بحث و تکرار ہو رہی ہے)؟ میں نے کہا: ہاں، کفارات گناہوں کو مٹا دینے والی چیزوں کے بارے میں (کہ وہ کون کون سی چیزیں ہیں؟) (فرمایا) ”کفارات یہ ہیں: (۱) نماز کے بعد مسجد میں بیٹھ کر دوسری نماز کا انتظار کرنا، (۲) پیروں سے چل کر نماز با جماعت کے لیے مسجد میں جانا، (۳) ناگواری کے باوجود باقاعدگی سے وضو کرنا، جو ایسا کرے گا بھلائی کی زندگی گزارے گا، اور بھلائی کے ساتھ مرے گا اور اپنے گناہوں سے اس طرح پاک و صاف ہو جائے گا جس طرح وہ اس دن پاک و صاف تھا

جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا"-(سنن ترمذی: 3233)

لہذا اس قسم کی احادیث میں ان لوگوں کے لیے بڑی خوش خبری ہے جو حج کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے لیکن اس کے برابر ثواب پانا چاہتے ہیں تو وہ ناگواری کے باوجود مثلا ٹھنڈی کے ایام میں نفل نماز کے لیے وضوء کریں اور یہ اجر عظیم پالیں۔ پتہ چلا کہ اسلام بڑا ہی پیارا مذہب ہے جو ہر کسی کو نیکیاں کمانے کا یکساں موقع عطا کرتا ہے۔

ان کے علاوہ کئی اور اعمال ہیں جن کے تعلق سے اس قسم کی فضیلت وارد ہے مگر وہ ضعیف یا ضعیف جدا

ہیں واللہ اعلم۔ اس لئے چیک کرنا ضروری ہے اگر مزید فہرست زیادہ کرنا ہو۔

دوسری فضیلت: حج مبرور کا بدلہ جنت ہے

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الحجُّ المبرورُ ليسَ لهُ جزاءٌ إلَّا الجنَّةُ . قيل: وما بِرُّهُ؟ قال: إطعامُ الطَّعامِ، وطِيبُ الكلامِ"

ترجمہ: "حج مبرور کا بدلہ جنت ہی ہے۔ آپ سے پوچھا گیا حج کی نیکی کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کھانا کھلانا اور اچھی بات کرنا " (صحیح الترغیب: 1104)

حج مبرور کا معنی مفہوم:

نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اس حدیث میں فرمایا کہ:"حج مبرور کا بدلہ جنت ہی ہے" آیئے جانتے ہیں کہ "حج مبرور" کس کو کہتے ہیں؟

دراصل حج مصدر ہے جس کے معنی ہیں" قصد وارادہ کرنا۔"

حج کی اصطلاحی تعریف یہ ہے:"مخصوص افعال کی ادائیگی کے لیے مسجد حرام کا قصد کرنا حج کہلاتا ہے۔

جمہور کا کہنا ہے کہ حج چھ (٦) ہجری میں فرض ہوا جبکہ ابن قیم رحمہ اللہ اور سعودی عرب کی مستقل فتوی کمیٹی نے نو (٩) یا دس (١٠) ہجری میں فرضیتِ حج کا قول راجح قرار دیا ہے۔

لفظِ "مبرور "یہ " بر "سے ماخوذ ہے، جس کے معنی نیکی کے ہیں۔حج مبرور سے مراد "ایساحج جس میں حج کے تمام ارکان وواجبات کو اداکیا جائے اور ہر ممنوع کام سے اجتناب کیا جائے"۔(فقه الإسلام شرح بلوغ المرام ص :414)

حج مبرور کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ حج کے دوران بندہ لوگوں کو کھاناکھلائےیعنی صرف اپناہی خیال نہ کرے بلکہ اپنے بھائی کا بھی خیال کرے، اپنے ساتھ تھوڑی زائد رقم لے جائے تاکہ وہاں پر لوگوں کو کھانا کھلاسکے، اگر وہ چائے پی رہاہے تو اپنے حاجی دوست کو بھی پلائے،کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو کھلانے والا بندہ

بہت پسند ہے ، اگر ہم لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں تو ہمارے لیے جنت کا راستہ آسان ہو جاتا ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشوا السَّلامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيامٌ، تَدخُلُوا الجَنَّةَ بِسَلامٍ"

ترجمہ:"سلام کو عام کرنا، لوگوں کو کھانا کھلانا، تہجد پڑھنا، یہ ساری چیزیں جنت میں سلامتی سے داخلہ ممکن بنادیتی ہیں۔"(سنن الترمذی: 2485)

حج مبرور کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ آدمی لوگوں کے ساتھ اچھی گفتگو کرے، کیونکہ جب آدمی حج پر نکلتا ہے تو وہاں کبھی کھانا وقت پر نہیں ملتا، گرمی کا

ماحول ہوتا ہے اور کافی بھیڑ ہوتی ہے، اس وقت آدمی کا مزاج تھوڑا چڑچڑا ہو جاتا ہے، اور بات بات پر غصہ آتا ہے، تو آدمی کو چاہیے کہ صبر سے کام لے، اپنی زبان، ہاتھ اور غصے پر کنٹرول کرے اور جانے سے پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلے کہ یہ میرا حج حِج مبرور ہونا چاہئے۔

آپ ﷺ سے جب حج مبرور کے بارے پوچھا گیا تو آپ ﷺ فرمایا: **"اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَ طِیبُ الْکَلَامِ** "یعنی لوگوں کو کھانا کھلانا اور ان سے اچھی گفتگو کرنا یہ حج مبرور کی نشانیوں میں سے ہیں۔(أحمد

14522:/ والطبرانی فی المعجم الاوسط:8405 / السلسلۃ الصحیصحۃ:1264)

حج مبرور کی تین علامتیں:

ایک مرتبہ شیخ صالح بن فوزان سے پوچھا گیا کہ حجِ مبرور کی علامتیں کیا ہیں؟ تو شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ نے کہا کہ سب سے پہلے دیکھا جائے گا کہ آدمی نے حج حرام پیسوں سے کیا ہے یا حلال پیسوں سے کیا ہے؟ اگر حج میں لگایا ہوا پیسہ حرام طریقے سے کمایا گیا ہے ہو تو اس کا حج قابل قبول نہیں ہو گا۔ اگر حج میں لگایا ہوا سارا پیسہ حلال کا ہے تو یہ حجِ مبرور کی پہلی علامت ہے، اسی طرح حج کے دوران آدمی کا گناہوں سے اپنے دامن کو

بچائے رکھنا یہ حج مبرور کی دوسری علامت ہے۔ اور تیسری علامت یہ کہ اس کی حج سے پہلے والی زندگی اور حج کے بعد والی زندگی میں واضح فرق نظر آئے۔حج کے آثار حج کے بعد والی زندگی میں نظر آئیں، وہ نیکیوں کی شاہراہ پر گامزن ہو جائے،سو اس کا حج حج مبرور کہلائے گا۔(ان شاء اللہ)

تیسری فضیلت : حج کی ادائیگی سے پچھلے گناہ معاف ہوتے ہیں:

حج ہر اس آدمی پر فرض ہے جو صاحبِ استطاعت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ"

ترجمہ:"اور اللہ کے لیے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو اس گھر کی طرف جانے کی طاقت رکھتے ہوں"(**سورة آل عمران :97**)

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بارے ابن شماسہ فرماتے ہیں:

"حَضَرْنَا عَمْرَو بْنَ الْعَاصِ وَهُوَ فِي سِيَاقَةِ الْمَوْتِ، فَبَكَى طَوِيلًا وَحَوَّلَ وَجْهَهُ إِلَى الْجِدَارِ، فَجَعَلَ ابْنُهُ، يَقُولُ: يَا أَبَتَاهُ، أَمَا بَشَّرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَسَلَّمَ بِكَذَا، أَمَا بَشَّرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِكَذَا؟ قَالَ: فَأَقْبَلَ بِوَجْهِهِ،

فَقَالَ: إِنَّ أَفْضَلَ مَا نُعِدُّ، شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، إِنِّي قَدْ كُنْتُ عَلَى أَطْبَاقٍ ثَلَاثٍ، لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَمَا أَحَدٌ أَشَدَّ بُغْضًا لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنِّي، وَلَا أَحبَّ إِلَيَّ أَنْ أَكُونَ قَدِ اسْتَمْكَنْتُ مِنْهُ فَقَتَلْتُهُ، فَلَوْ مُتُّ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ، لَكُنْتُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَلَمَّا جَعَلَ اللَّهُ الإِسْلَامَ فِي قَلْبِي، أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ، فَقُلْتُ: ابْسُطْ يَمِينَكَ فَلأُبَايِعْكَ، فَبَسَطَ يَمِينَهُ، قَالَ: فَقَبَضْتُ يَدِي، قَالَ: مَا لَكَ يَا عَمْرُو؟ قَالَ: قُلْتُ: أَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِطَ، قَالَ: تَشْتَرِطُ بِمَاذَا؟ قُلْتُ: أَنْ يُغْفَرَ لِي، قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ " أَنَّ الإِسْلَامَ يَهْدِمُ، مَا كَانَ قَبْلَهُ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلِهَا، وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهُ "، وَمَا كَانَ أَحَدٌ أَحبَّ إِلَيَّ مِنْ

رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَلَا أَجلَّ فِي عَيْنِي مِنْهُ، وَمَا كُنْتُ أُطِيقُ أَنْ أَمْلَأَ عَيْنَيَّ مِنْهُ إِجْلَالًا لَهُ، وَلَوْ سُئِلْتُ أَنْ أَصِفَهُ مَا أَطَقْتُ، لِأَنِّي لَمْ أَكُنْ أَمْلَأُ عَيْنَيَّ مِنْهُ، وَلَوْ مُتُّ عَلَى تِلْكَ الْحَالِ، لَرَجَوْتُ أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، ثُمَّ وَلِينَا أَشْيَاءَ مَا أَدْرِي مَا حَالِي فِيهَا، فَإِذَا أَنَا مُتُّ، فَلَا تَصْحَبْنِي نَائِحَةٌ، وَلَا نَارٌ، فَإِذَا دَفَنْتُمُونِي، فَشُنُّوا عَلَيَّ التُّرَابَ شَنًّا، ثُمَّ أَقِيمُوا حَوْلَ قَبْرِي قَدْرَ مَا تُنْحَرُ جَزُورٌ، وَيُقْسَمُ لَحْمُهَا حَتَّى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ، وَأَنْظُرَ مَاذَا أُرَاجِعُ بِهِ رُسُلَ رَبِّي".

ترجمہ: ابن شماسہ مہری (عبدالرحمٰن بن شماسہ بن ذئب) سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ، ہم سیدنا عمرو

بن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور وہ مرنے کے قریب تھے وہ بہت دیر تک روئے اور دیوار کی طرف اپنا منہ پھیر لیا۔ ان کے بیٹے کہنے لگے: ابا جان! آپ کیوں روتے ہیں؟ کیا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے یہ خوشخبری نہیں دی۔ تب انہوں نے اپنا منہ سامنے کیا اور کہا کہ ہم سب باتوں میں افضل سمجھتے ہیں اس بات کی گواہی دینے کو کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ میرے اوپر تین حالتیں گزریں: 1۔ ایک حال یہ تھا جو میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ میں کسی کو برا نہیں جانتا تھا اور میری آرزو تھی کہ میں کسی طرح قابو پاؤں اور آپ ﷺ کو قتل

کردوں (معاذاللہ) پھر اگر میں اس حال میں مر جاتا تو جہنمی ہوتا۔ 2۔ دوسری حالت یہ تھی کہ اللہ نے اسلام کی محبت میرے دل میں ڈالی اور میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ میں نے کہا: اپنا داہنا ہاتھ بڑھائیے تاکہ میں آپ سے بیعت کروں ۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ بڑھایا میں نے اس وقت اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا ہوا تجھ کو اے عمرو!" میں نے کہا شرط رکھنا چاہتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا شرط" میں نے کہا: یہ شرط کہ میرے گناہ معاف ہوں (جو اب تک کیے ہیں) آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عمرو! تو نہیں جانتا کہ اسلام ان تمام گناہوں کو ساقط کر دیتا ہے جو اس سے

پہلے کیے تھے؟ اور ہجرت ان تمام گناہوں کو ساقط کر
دیتی ہے جو اس (ہجرت) سے پہلے کیے گئے تھے اور حج
ان سب گناہوں کو ساقط کر دیتا ہے جو اس سے پہلے کیے
تھے۔" پھر رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مجھ کو کسی سے
محبت نہ تھی اور نہ میری نگاہ میں آپ ﷺ سے زیادہ
کسی کی شان تھی اور میں آنکھ بھر کر آپ ﷺ کے
جلال کی وجہ سے آپ ﷺ کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اور
اگر کوئی مجھ سے آپ ﷺ کی صورت کو پوچھے تو میں
بیان نہیں کر سکتا کیونکہ میں آنکھ بھر کر آپ ﷺ کو
دیکھ نہیں سکتا تھا اور اگر میں اس حال میں مر جاتا تو امید
تھی کہ جنتی ہوتا۔ 3۔ تیسری حالت: اس کے بعد اور
چیزوں میں ہم کو پھنسنا پڑا، میں نہیں جانتا اب میرا کیا

ان کی وجہ سے کیا حال ہو گا؟ جب میں مر جاؤں میرے جنازے کے ساتھ کوئی رونے چلانے والی نہ ہو اور نہ آگ ہو اور جب مجھے دفن کرنا تو مجھ پر اچھی طرح مٹی ڈال دینا اور میری قبر کے گرد اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر میں اونٹ کاٹا اور اس کا گوشت باٹا جاتا ہے تاکہ میرا دل بہلے تم سے (اور میں تنہائی میں گھبرا نہ جاؤں) اور دیکھ لوں پروردگار کے وکیلوں کو میں کیا جواب دیتا ہوں۔(صحیح مسلم:121)

اس حدیث میں صاف طور پر یہ بات بتائی گئی کہ حج پچھلے سارے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے. الغرض یہ اسلام کا ایک اہم رکن ہے اور تمام مسلمانوں کا اس بات

پر اجماع ہے کہ ہر مکلف پر زندگی میں ایک مرتبہ حج کرنا ضروری ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس حج کی اہمیت بہت زیادہ تھی اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے اگر کسی کے انتقال کا وقت قریب آتا تو وہ لوگوں کو حج کی وصیت کرتے اور لوگوں کو حج کے لیے ابھارتے تھے۔

چوتھی فضیلت: حاجی اللہ کے مہمان ہیں:

ایک حدیث میں آپ ﷺ حاجی کی فضیلت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں جس کے راوی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں:

«الْغَازِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَالْحَاجُّ وَالْمُعْتَمِرُ، وَفْدُ اللَّهِ، دَعَاهُمْ، فَأَجَابُوهُ، وَسَأَلُوهُ، فَأَعْطَاهُمْ»

ترجمہ: ”اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا، حج کرنے والا اور عمرہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بلایا تو انہوں نے حاضری دی، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مانگا تو اس نے انہیں عطا کیا“۔(سنن ابن ماجة: 2893)

لیکن بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب پہلی دفعہ ان کی نظر کعبہ پر پڑتی ہے تو فوراً انہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے جو چاہے مانگ لینا چاہیے بعد میں دعائیں قبول نہیں ہو گی۔ اور اگر کوئی اندھا ہو تو وہ بے چارہ کیا کرے گا؟ وہ کعبۃ اللہ کیسے دیکھے گا؟، مذکورہ بالا حدیث کی رو سے ان

لوگوں کی سوچ غلط ہے۔جو بھی اس طرح کا خیال رکھتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اپنی سوچ کو حدیث کی سوچ میں ڈھالیں۔

ہاں بعض صحابہ سے یہ دعاء ثابت ہے کہ کعبہ پر نظر پڑنے پر یہ پڑھا جائے: **اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلامُ وَمِنْكَ السَّلامُ، فحيِّنا رَبَّنا بالسَّلامِ**

پانچوں فضلیت: حج فقر وفاقہ اور گناہوں کو روکتا ہے

تابِعوا بينَ الحجِّ والعمرةِ ، فإنَّهما ينفِيانِ الفقرَ والذُّنوبَ

ترجمہ: تم حج اور عمرہ پئے درپئے کرتے رہو اس لیے کہ وہ فقر و فاقہ اور گناہوں کو روکتے ہیں۔ (سنن ترمذی:810)

چھٹی فضیلت :حج کرنا جہاد کا ثواب رکھتا ہے

عن أبي هريرة رضي الله عنه عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: جِهَادُ الْكَبِيرِ، وَالصَّغِيرِ، وَالضَّعِيفِ، وَالْمَرْأَةِ، الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ.(سنن النسائي: 2627)

ترجمہ: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بوڑھے، بچے، کمزور اور عورت کا جہاد حج اور عمرہ ہے۔

بلکہ حج کو جہاد سے بہتر قرار دیا :

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا، قَالَتْ قُلتُ يا رَسولَ اللّٰهِ، ألَا نَغْزُو ونُجَاهِدُ معكُمْ؟ فَقالَ: لَكُنَّ أحْسَنَ الجِهَادِ وأَجْمَلَهُ الحَجُّ، حَجٌّ مَبْرُورٌ، فَقالَتْ عَائِشَةُ فلا أدَعُ الحَجَّ بَعْدَ إذْ سَمِعْتُ هذا مِن رَسولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلَّمَ. (صحيح البخاري : 1861)

ام المؤمنين عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ! ہم بھی کیوں نہ آپ ﷺ کے ساتھ جہاد اور غزووں میں جایا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگوں کے لیے سب سے عمدہ اور

سب سے مناسب جہاد حج ہے، وہ حج جو مقبول ہو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں کہ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سن لیا ہے حج کو میں کبھی چھوڑنے والی نہیں ہوں۔

اعمال حج کی فضیلت:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "كُنْتُ قَاعِدًا مَعَ النَّبِيّ ﷺ فِي مَسْجِدِ مِنًى فَأَتَاهُ رَجُلٌ مِنَ الأَنْصَارِ وَرَجُلٌ مِنْ ثَقِيفٍ فَسَلَّمَا، ثُمَّ قَالا: يَا رَسولَ اللهِ ، جِئْنَا نَسْأَلُكَ فَقَالَ: إِنْ شِئْتُمَا أَخْبَرْتُكُمَا بِمَا جِئْتُمَا تَسْأَلانِي عَنْهُ فَعَلْتُ، وَإن شِئْتُمَا أَنْ أُمْسِكَ وَتَسْأَلانِي فَعَلْتُ. فَقَالا: أَخْبِرْنَا يَا رَسولَ اللهِ فَقَالَ الثَّقَفِيُّ للأَنْصَارِيِّ: سَلْ،

فَقَالَ: أَخْبرْنِي يَا رَسولَ اللهِ قَالَ: جِئْتَنِي تَسْأَلُنِي، عَن مَخْرَجِك مِنْ بَيْتِكَ تَؤُمُّ الْبَيْتَ الْحَرَامَ، ومَا لَكَ فِيهِ، وعَن رَكْعَتَيْكِ بَعْدَ الطَّوَافِ، ومَا لَكَ فِيهِمَا، وعَن طَوَافِكَ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، ومَا لَكَ فِيهِ وَوَقُوفِكَ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ، ومَا لَكَ فِيهِ، وعَن رَمْيِكَ الْجِمَارِ، ومَا لَكَ فِيهِ، وعَن نَحْرِكَ، ومَا لَكَ فِيهِ، وعَن حَلْقِكَ رَأْسِكَ، ومَا لَكَ فِيهِ، وعَن طَوَافِكَ بِالْبَيْتِ بَعْدَ ذَلِكَ، ومَا لَكَ فِيهِ مَعَ الإِفَاضَةِ فَقَالَ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ، عَن هَذَا جِئْتُ أَسْأَلُكَ. قَالَ: فَإِنَّكَ إِذَا خَرَجْتَ مِنْ بَيْتِكَ تَؤُمُّ الْبَيْتَ الْحَرَامَ لا تَضَعْ نَاقَتُكَ خُفًّا، ولاَ تَرْفَعُهُ إلاَّ كَتَبَ اللَّهُ لَكَ بِهِ حَسَنَةً وَمَحَا عَنْكَ خَطِيئَةً وَأَمَّا رَكْعَتَاكَ بَعْدَ الطَّوَافِ كَعِتْقِ رَقَبَةٍ مِنْ بَنِي إِسْمَاعِيلَ

وَأَمَّا طَوَافُكَ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ بَعْدَ ذَلِكَ كَعِتْقِ سَبْعِينَ رَقَبَةً وَأَمَّا وُقُوفُكَ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ فَإِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى يَهْبِطُ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا فَيُبَاهِي بِكُمُ الْمَلائِكَةَ يَقُولُ: عِبَادِي جَاءُونِي شُعْثًا مِنْ كلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ يَرْجُونَ رَحْمَتِي فَلَوْ كَانَتْ ذُنُوبُكُمْ كَعَدَدِ الرَّمْلِ، أَوْ كَقَطْرِ الْمَطَرِ، أَوْ كَزَبَدِ الْبَحْرِ لَغَفَرَهَا، أَوْ لَغَفَرْتُهَا، أَفِيضُوا عِبَادِي مَغْفُورًا لَكُمْ وَلِمَنْ شَفَعْتُمْ لَهُ وَأَمَّا رَمْيُكَ الْجِمَارِ فَلَكَ بِكُلِّ حَصَاةٍ رَمَيْتَهَا كَبِيرَةٌ مِنَ الْمُوبِقَاتِ وَأَمَّا نَحْرُكَ فَمَذْخُورٌ لَكَ عِنْدَ رَبِّكَ وَأَمَّا حِلاقُكَ رَأْسِكَ فَلَكَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَلَقْتَهَا حَسَنَةٌ وَيُمْحَى عَنْكَ بِهَا خَطِيئَةٌ وَأَمَّا طَوَافُكَ بِالْبَيْتِ بَعْدَ ذَلِكَ فَإِنَّكَ تَطُوفُ، وَلاَ ذَنْبَ لَكَ يَأْتِي مَلَكٌ حَتَّى يَضَعَ يَدَيْهِ بَيْنَ كَتِفَيْكَ

فَيَقُولُ: اعْمَلْ فِيمَا تَسْتَقْبِلُ فَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا مَضَى"

ترجمہ: میں منی کی مسجد میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، اچانک دو صحابی آتے ہیں ان میں سے ایک ثقفی یعنی طائف کے رہنے والے اور دوسرے انصاری مدینہ کے رہنے والے تھے، یہ دونوں نبی اکرم ﷺ سے سوالات کرنا چاہتے تھے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے، نبی اکرم ﷺ انصاری صحابی سے کہتے ہیں کہ پہلے تم سوال کرو کیونکہ شروعات انصاری صحابی نے کی تھی[1] تو وہ انصاری

---

1 (تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے کرام یا اساتذہ کرام کا بھی یہی رویہ ہونا چاہئے کہ جو پہلے سوال کرے اس کا جواب پہلے

نے کہا کہ اے نبی اکرم ﷺ میں تو مدینہ کا رہنے والا ہوں میں کبھی بھی پوچھ سکتا ہوں، یہ طائف سے آئے ہیں ان کو پہلے پوچھنے دیجئے، میں ان کے لیے میرا حق چھوڑ دیتا ہوں [2]۔ان کے سوال پوچھنے سے پہلے ہی نبی

دینا چاہیے، یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ یہ غریب ہے اور یہ امیر ہے، ایک عالم دین کی ذمہ داری ہے کہ کوئی بھی اس کے پاس سوال لے کر آئے تو پہلے یہ دیکھے کہ کس نے پہل کی ہے اور پہل کرنے والے کا جواب دے)

[2] (کیا ہی بہترین اخلاق تھے، ایک طرف نبی اکرم ﷺ کے اخلاق اور اصول وضوابط کی پابندی، تو دوسری طرف صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا ایسے بہترین اخلاق کا مظاہرہ۔اس طرح کے اخلاق اگر ہمارے اندر بھی آجائیں تو ہمارے درمیان سے نفرتیں، عداوتیں اور فتنہ وفساد ختم ہوجائیں گے۔ان شاء اللہ)

اکرم ﷺ نے کہا کہ اے ثقفی ! اور اے انصاری!

تمہارے دلوں میں جو سوالات ہیں کیا میں انہیں نہ

بتاؤں ؟(اب یہاں پر انصاری بھی اور ثقفی بھی پریشان

ہوگئے)، دونوں نے کہا کہ اے نبی اکرم ﷺ بتایئے

ہمارے کیا سوالات ہیں؟ نبی اکرم ﷺ نے صلوٰ ۃ ،

صوم ، اور حج کے بارے میں وہی سوالات دہرائے جو

ان کے دلوں میں چل رہے تھے، انہوں نے کہا اے نبی

اکرم ﷺ اللہ کی قسم یہی ہمارے سوالات تھے[3]، نبی

---

[3] (اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں وحی کے ذریعہ سے غیب سے مطلع کرتے ہیں، غیبِ حقیقی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، لیکن غیب سبھی وحی کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ کو معلوم کروایا جاتا ہے، جیسے کہ نبی اکرم ﷺ نے دجال

اکرم ﷺ نے جو سوالات بتائے ان میں سے ایک

سوال یہ بھی تھا کہ حج میں جو اتنے اعمال بندہ کرتا ہے تو

اس کا ثواب کیا ہے؟ پھر نبی اکرم ﷺ نے اس سوال کا

تفصیلی جواب دیتے ہوئے فرمایا: حاجی جو اتنی دور چل کر

پیدل آتا ہے تو اس کا ثواب یہ ہے، حاجی جب طواف

کرتا ہے اور طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھتا ہے تو

اس کی فضیلت یہ ہے، حاجی صفاومروہ کی سعی کرتا ہے تو

اس کی فضیلت یہ ہے، حاجی جب کنکریاں مارتا ہے تو ا

سکی فضیلت یہ ہے، حاجی جب عرفہ کے میدان میں

کے آنے کے بارے میں بتایا ہے لیکن نبی اکرم ﷺ نے دجال کو نہیں دیکھا، وحی کی بنیاد پر نبی اکرم ﷺ نے ساری تفاصیل بتائی ہیں ،اس غیب کو سببی غیب کہتے ہیں)

ٹھہرتا ہے تو اس کی فضیلت یہ ہے ،اور جب حاجی

طواف وداع کرتا ہے تو اس کی فضیلت یہ ہے، توانھوں

نے کہا کہ اے نبی اکرم ﷺ آپ سچے اور نبیِ برحق

ہیں، آپ نے بالکل سچ کہا یہی ہمارے سوالات تھے، نبی

اکرم ﷺ نے کہا مزید اس کی فضیلت سنو کہ حاجی

جب ایک قدم رکھتا ہے تو اس کو ایک نیکی سے نوازا جاتا

ہے اور جب حاجی ایک قدم اٹھاتا ہے تو اس کا ایک درجہ

بلند کردیا جاتا ہے، اس کی سواری بھی قدم رکھے یا قدم

اٹھائے تو اللہ تعالیٰ اسے ایک نیکی عطا کرتے ہیں اور اس

کا ایک گناہ مٹاتے ہیں، اور جب حاجی طواف کرتا ہے تو

ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور جب حاجی

صفاءاور مروہ کی سعی کرتا ہے تو ستر غلاموں کو آزاد

کرنے کا ثواب لکھا جاتا ہے ، پھر اس کے بعد حاجی
عرفات کے میدان میں ٹھہرتا ہے تو اس کے عرفہ کے
میدان سے نکلنے سے پہلے ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرشتوں کو
گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ اے فرشتو! تم گواہ رہنا میں نے
ان سب کو معاف کر دیا ہے اگرچہ یہ گناہ ریگستان کے
ذرات ،بارش کے پانی کے قطروں اور سمندر کی جھاگ
کے برابر ہی کیوں نہ ہوں ؟ پھر فرمایا کہ جب ایک حاجی
کنکری مارتا ہے تو ہر کنکری پر اس کے کبیرہ گناہ معاف
ہوتے ہیں (اللہ اکبر کتنی بڑی فضیلت ہے)۔ اور جب
حلق کرتا ہے تو اس کے ہر بال پر ایک نیکی دی جاتی اور
ایک گناہ معاف کیا جاتا ہے پھر جب آخر میں حاجی
طواف وداع کرتا ہے تو وہ سارے گناہوں سے پاک

ہو جاتا ہے اور ایک فرشتہ آتا ہے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے تو آگے نیکیاں کرتا جا بیشک تیرے پچھلے سارے گناہ معاف کردئے گئے ہیں۔ **(صحیح الترغيب والترهيب:1112)**

حلق اور طواف وداع کی فضیلت:

طبرانی میں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس میں تقریبا یہی باتیں بیان کی گئیں ہیں ، لیکن ایک اضافی بات بتاتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

"وأما حلقك رأسك فإنه ليس من شعرك شعرة تقع في الأرض إلا كانت لك نورا يوم

القيامة وأما طوافك بالبيت إذا ودعت فإنك تخرج من ذنوبك كيوم ولدتك أمك"

ترجمہ: حاجی جب اپنے سر کے بال مونڈھتا ہے یا کٹواتا ہے، جیسے ہی اس کے ایک ایک بال گرتے ہیں تو ان میں سے ہر بال پر ایک نیکی ملتی ہے اور یہ بال قیامت کے دن روشنی بن کر آتے ہیں، اور جب حاجی طوافِ وادع کر کے گھر لوٹتا ہے تو وہ گناہوں سے ایسے پاک ہوتا ہے جیسے اس کی ماں نے اس کو آج ہی جنا ہو۔

(صحيح الترغيب والترهيب:1113)

سورہ حدید میں نور اور اندھیر کے بارے میں تفصیلی ذکر آیا ہے کہ قیامت کے دن منافقین اور کمزور

ایمان رکھنے والے روشنی کو ترسیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"يَوۡمَ يَقُولُ الۡمُنَافِقُونَ وَالۡمُنَافِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقۡتَبِسۡ مِن نُّورِكُمۡ قِيلَ ارۡجِعُوا وَرَاءَكُمۡ فَالۡتَمِسُوا نُورًا فَضُرِبَ بَيۡنَهُم بِسُورٍ لَّهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحۡمَةُ وَظَاهِرُهُ مِن قِبَلِهِ الۡعَذَابُ"

ترجمہ:(اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے ہماری طرف بھی نظرِ کرم کریں تاکہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں، ان سے کہا جائے گا پیچھے کی طرف لوٹ جاؤ اور نور تلاش کرو پھر ان کے بیچ ایک دیوار کھڑی کردی جائے گی جس

میں ایک دروازہ ہو گا اس کے اندرونی جانب رحمت ہوگی اور بیرونی جانب عذاب ہو گا) (سورۃ الحدید:13)

قیامت کے دن منافقین اور کمزور ایمان والے پریشان ہوں گے اور جب وہ پل صراط سے گذریں گے تو وہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہو گا اور وہاں کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا ، کتنا خوش نصیب ہے وہ آدمی جسے حج مبرور کی سعادت ملی ہو۔یہ حدیث بتارہی ہے کہ جب اس کو روشنی کی ضرورت ہو گی تو اس کا ایک ایک بال جو اس نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے لیے کاٹا تھا وہ قیامت کے دن روشنی بن کر آئے گا۔

حج کے شرائط:

پہلی شرط اسلام:

حج کی ادئیگی کے لیے آدمی کا مسلمان ہونا ضروری ہے کیونکہ غیر مسلم کو مکہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَس فَلاَ يَقْرَبُ الْمَسْجِدَ الحَرَامَ"

ترجمہ: بیشک مشرکین ناپاک ہیں وہ مسجدِ حرام کے قریب نہ آئیں۔(سورة التوبة:28)

دوسری شرط عقل:

حج کی ادائیگی کے لیے آدمی کا عاقل ہونا ضروری ہے مجنون اور دیوانے پر حج واجب نہیں اگر چہ کہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ، وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يَعْقِلَ"

ترجمہ: تین لوگ مرفوع القلم ہیں: سویا ہوا یہاں تک کہ وہ جاگ جائے، بچہ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے اور پاگل یہاں تک کہ وہ عاقل ہو جائے۔ (سنن أبي داؤد: 4403 ، سنن الترمذی : 1423)

تیسری شرط بلوغت:

نابالغ بچہ پر حج واجب نہیں ہے، اگر کوئی نابالغ بچہ حج کرلیتا ہے تو اس کا حج درست ہو گا لیکن اس سے فرضیت ساقط نہیں ہو گی۔ ایک عورت نے جب اپنے بچے کو آپ ﷺ کی طرف اٹھا کر پوچھا: "أَلِهَذَا حَجٌّ؟ قَالَ: «نَعَمْ، وَلَكِ أَجْرٌ» ترجمہ: کیا اس کا حج صحیح ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں صحیح ہے لیکن ثواب تمہیں ملے گا۔(صحیح مسلم: 1336)

چوتھی شرط: آزادی:

حج کی ادائیگی کے لیے آدمی کا آزاد ہونا ضروری ہے، غلام پر حج فرض نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے آقا کے ماتحت ہوتا ہے۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں علماء کی رائے

مختلف ہے بعض اس شرط کے قائل ہیں اور بعض اس شرط کے قائل نہیں ہیں۔

پانچویں شرط: مالی اور بدنی استطاعت اور راستہ کا پر امن ہونا:

حج کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر مالی اور بدنی استطاعت ہو اور راستہ پر امن ہو ۔جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كَانَ الفَضْلُ رَدِيفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ مِنْ خَشْعَمَ، فَجَعَلَ الفَضْلُ يَنْظُرُ إِلَيْهَا وَتَنْظُرُ إِلَيْهِ، وَجَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ ، يَصْرِفُ وَجْهَ الفَضْلِ إِلَى الشّقِّ الآخَرِ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ

إِنَّ فَرِيضَةَ اللَّهِ عَلَى عِبَادِهِ فِي الحَجِّ أَدْرَكَتْ أَبِي شَيْخًا كَبِيرًا، لاَ يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ، أَفَأَحُجُّ عَنْهُ؟ قَالَ: «نَعَمْ».

ترجمہ: حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ کے پیچھے سوار تھے خشعم کی ایک عورت آئی حضرت فضل بن عباس اس کو دیکھنے لگے اور وہ ان کو دیکھنے لگی، آپ ﷺ حضرت فضل بن عباس کے چہرے کو دوسری طرف پھیر دیا۔اس عورت نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ اللہ اپنے بندوں پر حج فرض کیا ہے اور میرے ابو پر حج فرض ہے لیکن وہ سواری نہیں کرسکتے کیا میں ان کے طرف سے حج ادا

کروں آپ ﷺ نے فرمایا :ہاں ۔(صحیح البخاری:1513، صحیح مسلم:1334)

مالی استطاعت کا مطلب یہ ہے کہ حج کا ارادہ کرنے والے کے پاس اپنی اور اپنے گھر والوں کی بنیادی ضرورتوں کے مکمل ہونے کے بعد اتنا اضافی مال ہو جس سے وہ حج کے آمد ورفت کے اخراجات برداشت کر سکتا ہو اور اس کے گھر والے اس کی غیر موجودگی میں بآسانی اپنی بنیادی ضرورتوں کو پورا کر سکتے ہوں۔

استطاعت میں یہ بھی شامل ہے کہ عورت کے لیے محرم ہو، اگر کوئی عورت محرم نہیں پاتی تو ایسی صورت میں اس پر حج فرض نہیں ہو گا۔

جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لاَ تُسَافِرِ امْرَأَةٌ مَسِيرَةَ يَوْمَيْنِ لَيْسَ مَعَهَا زَوْجُهَا، أَوْ ذُو مَحْرَمٍ"

ترجمہ: کوئی عورت دو دن کے فاصلہ برابر سفر نہ کرے جب کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر یا محرم نہ ہو۔(صحیح البخاری:1864، صحیح مسلم:1340)

سفرِ حج کے آداب:

سفرِ حج کے آداب دو طرح کے ہیں؛ بعض آداب ایسے ہیں جن کا بجالانا حاجی پر واجب اور ضروری ہے جسے واجباتِ حج اور ارکانِ حج کہا جاتا ہے، اسی طرح کچھ ایسے کام ہیں جن کا کرنا حالتِ احرام میں منع ہے جنھیں محظوراتِ احرام کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ"

ترجمہ: (حج کے مخصوص مہینے متعین ہیں تو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کرلے تو بے حیائی، فسق وفجور اور جھگڑے نہ کرے)(سورة البقرة : 197)

بعض آداب ایسے ہیں جن کا بجالانا مستحب ہے جیسے اپنی ذات سے دوسروں کو تکلیف نہ دینا ، اپنے بھائیوں کی مدد کرنا، ان کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے اخلاق سے پیش آنا، ایک سچا مومن ان اخلاقِ عالیہ کو ہر

وقت اور ہر جگہ اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔(فتاوی ابن عثیمین:17/21)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سبھی کو حج جیسی عظیم عبادت نصیب فرمائے اور پیارے نبی ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ پر حج کرنے اور حج کی ساری فضیلتوں کو پانے کی توفیق بخشے۔ آمین!

* * *

فریضہ حج سے حاصل ہونے والے دو اہم اسباق

اللہ تعالی بڑی حکمتوں والا ہے، اس کی ہر تعلیم اور ہدایت میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں جن میں سے چند ایک کو ہم جان سکتے ہیں لیکن اللہ کے کسی بھی حکم کی ساری مصلحتیں اور حکمتیں صرف اور صرف وہی بخوبی جانتا ہے، جیسے رمضان المبارک کا مہینہ اور اس مہینہ کی عبادتیں بھی لا تعداد حکمتیں رکھتی ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن مجید میں سورہ بقرہ سورہ نمبر 2 آیت نمبر 185 میں ارشاد فرمایا: " شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ

مِّنَ الۡهُدٰى وَالۡفُرۡقَانِ" "ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں "۔

اسی لیے ہمیں غور کرنا چاہئے کہ قرآن مجید میں جو بھی بات آرہی ہے اس میں ہمارے لیے کیا سبق ہے؟ کیونکہ قرآن مجید میں جو بھی تعلیمات آئیں گی ان میں ہمارے لیے ضرور سبق رہے گا، ان اسلامی احکامات میں ہمارے لیے ہدایات ہیں اور ہمارے لیے Guidance ہے۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمیں عمرہ کا بھی حکم دیا ہے، قرآن مجید میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے

ہمیں حج کا بھی حکم دیا ہے، سورہ بقرہ سورہ نمبر 2 آیت نمبر 190 سے لے کر 200 تک حج کی ہدایات دی گئی ہیں، ان میں آپ کو ایک آیت ملے گی کہ " وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ " سورة البقرة: 196 "حج اور عمرے کو اللہ تعالیٰ کے لیے پورا کرو"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حج اور عمرہ صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے لیے کیا جانا چاہیے کسی کو دکھانے کے لیے نہیں کرنا چاہیے، حاجی کہلانے کے لیے یا پھر یہ بتلانے کے لیے کہ میں نے اتنے زیادہ عمرے اور حج کیے ہیں حج اور عمرہ نہیں کرنا چاہیے۔

اس حج اور عمرہ میں ہمارے لیے سبق کیا ہے؟

اللہ سبحانہ و تعالیٰ قرآن مجید میں کہہ رہے ہیں کہ جو بھی

تعلیم تمہیں دی جا رہی ہے اس میں تمہارے لیے ہدایت اور سبق ہے، اس لیے ہمیں بھی غور و فکر کرنا چاہئے کہ حج سے یا عمرہ سے ہم نے کیا سیکھا ہے؟ اور حج ہمیں کیا سکھا رہا ہے؟۔

1: پہلا سبق "توحید : "

حاجی اور عمرہ کرنے والا اس کی نیت کرتے ہوئے کہتا ہے

" لبَّيك اللهم لبَّيك، لبَّيك لا شريكَ لك لبَّيك، إن الحمدَ والنعمةَ لك والمُلكَ، لا شريكَ لك " (صحيح البخاري: 5915)"

ہم حاضر ہیں اے اللہ! ہم حاضر ہیں، ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں ہم حاضر ہیں، بے شک ساری تعریف

تیرے لیے اور نعمت واحسان سب کچھ تیرے فضل سے ہے اور تیری ہی بادشاہت ہے، تیرا کوئی شریک نہیں"

۔

اس سے پہلے جو کفارِ قریش تھے وہ بھی یہی کہتے تھے " لبيك اللهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك " اگر وہ بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا نام لیتے تھے تو جھگڑا کس بات کا تھا؟ اصل میں صحیح توحید نہ سمجھنے میں لڑائی تھی، وہ بھی اللہ کہتے تھے ہم مسلمان بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا نام لیتے ہیں، تو صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا نام لینا کافی نہیں ہے بلکہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین نے جس انداز میں توحید سمجھی ہے اس انداز میں توحید کو سمجھنا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہے، ہم جیسا چاہیں توحید نہیں سمجھ سکتے۔ صحیح مسلم

کی روایت کے مطابق وہ بھی عمرہ اور حج کرتے تھے لیکن ان کی بات کہاں مختلف تھی؟ وہ کہتے تھے: " لبيك اللهم لبيك، لبيك لا شريك لك لبيك " " اے ہمارے اللہ ہم حاضر ہیں اور حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں ہے " ، یہ کہنے کے بعد آگے کہتے تھے " الا شريكا واحدا " مگر ایک شریک ہے وہ کیسا ہے؟ "تملکہ وماملک "کہ تو ہی اس شریک کا مالک ہے اور وہ جس کا مالک ہے تو اس کا بھی مالک ہے"۔ جب ان سے سوال ہوتا کہ بھائی! اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمام شریکوں کا اور دنیا کا مالک ہے، تم ان چھوٹے چھوٹے شریکوں کو سجدے کیوں کر رہے ہو؟ تو وہ کیا جواب دیتے تھے؟ اس کا ذکر سورہ زمر سورہ نمبر 39 آیت نمبر 3 میں ہے،

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ۚ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ " "خبر دار! اللہ تعالیٰ ہی کے لیے خالص عبادت کرنا ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اولیا بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرا دیں، یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اس کا (سچا) فیصلہ اللہ (خود) کرے گا۔ جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھاتا"۔ مکہ میں ہر قبیلے والا آتا اور کہتا کہ یہ میرا بُت ہے اور میرا خدا ہے اسے کعبۃ اللہ میں رکھا

جائے، وہ کہتے تھے کہ یہ بُت چھوٹا خدا ہے اور وہ بُت بڑا خدا ہے، اس طرح تین سو ساٹھ 360 قبیلوں کے 360 بت خانہ کعبہ میں رکھ دئے گئے، ان کفارِ مکہ کے خیال میں خانہ کعبہ کے تمام بُت چھوٹے خدا ہیں اور سب سے بڑا خدا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے، یہ چھوٹے بُت ہمیں اس بڑے خدا تک پہنچنے میں مدد کرتے ہیں۔ آج کے ماحول میں کتنے ایسے مسلمان ہیں جو کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ ہماری فریادیں اللہ سبحانہ و تعالیٰ تک پہونچاتے ہیں، ہم مسلمانوں کو یہ نہیں معلوم کہ ہمارا عقیدہ کفارِ قریش سے جا کر مَیل کھا رہا ہے، ہم میں جو شرک کر رہے ہیں انہیں اللہ تعالی کا ڈر نہیں ہے اور ہمیں کچھ معلوم بھی نہیں ہے، ہمیں نہ تاریخ معلوم ہے اور نہ کوئی عقیدے کی

بات معلوم ہے! اگر ہمیں تاریخ معلوم ہوتی یا ہم سورہ زمر سورہ نمبر 39 کی یہ آیت نمبر 3 ایک مرتبہ قرآن مجید کھول کر دیکھ لیتے تو یہ شرک کی نوبت یہاں تک نہیں آتی۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو ملاوٹی توحید پسند نہیں ہے۔ مثلا اگر کوئی اچھی خاصی بریانی میں کچھ غلاظت ڈال دے یا پھر گھڑے بھر دودھ میں کوئی غلاظت ڈال دے تو آپ اس غذا کو کھانے یا پینے کی بجائے اسے ٹھوکر مار دیتے ہیں۔

توحید کا معنی اور اس کا آسان مفہوم:

توحید کے معنی و مفہوم کو سمجھنے کے لیے بنیادی طور پر پانچ نکات اپنے ذہن میں رکھ لیں! 1۔ اللہ کی ذات میں

2۔ اللہ کے ناموں میں 3۔ اللہ کی صفات میں 4۔ اللہ کے کاموں میں 5۔ اللہ کے ساتھ کی جانے والی عبادتوں میں کسی غیر کو شریک نہ کرنا توحید ہے۔

1۔ اللہ کی ذات میں کسی کو شریک نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی ذات کے مقابلے میں کوئی بھی ذات نہیں ہے۔

آج کے نام نہاد مسلمان اللہ تعالی کی ذات کے مقابلہ میں کوئی ظاہری ذات کو نہیں ٹھہراتے لیکن یہ ضرور کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات ہر جگہ ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے اسی کو کہتے ہیں "وحدۃ الوجود" یعنی اللہ کی ذات نعوذ باللہ ہر جگہ موجود ہے، جب کہ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ عرش پر موجود ہے

لیکن عرش پر ہوتے ہوئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا علم ہر جگہ ہے، چاند آسمان پر ہے لیکن روشنی اس کی ہر جگہ ہوتی ہے، ایک معمولی مخلوق چاند جو آسمان پر ہوتے ہوئے بھی اپنی روشنی ہر جگہ بکھیر رہا ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات عرش پر اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا علم ہر جگہ کیوں نہیں ہو سکتا ہے؟ یعنی ہر جگہ آنا کوئی ضروری نہیں ہے۔

2۔ اللہ کے ناموں میں کسی کو شریک نہ کرنے کا مطلب ہے کہ اللہ کے ناموں میں کوئی اس کے برابر یا اس کا حصہ دار یا اس کے مثل نہیں ہے جیسے اللہ تعالی کا نام ہے " النصیر " مدد کرنے والا، یہ نام صرف اللہ تعالی کا ہے، اور اللہ تعالی ہی کے لیے یہ نام خاص ہے، ہم اس جیسے الفاظ دوسروں کو نہیں دے سکتے۔ حالانکہ آج کئی

راہ گم کردہ مسلمانوں نے ایسا کر رکھا ہے جیسے غوث الاعظم، دستگیر، وغیرہ۔

اسی طریقہ سے ایک اور لقب یا صفت یا نام جو اللہ تعالی کے لیے تھا لیکن دوسروں کو دے دیا گیا وہ ہے " ظلِ الہی "، اکبر جو کہ مغل سلطنت کا ایک بادشاہ تھا اس نے یہ لقب اپنے لیے خاص کر دیا تھا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ تو عرش پر مستوی ہے لیکن اس کا سایہ بندوں پر رہتا ہے، اس عقیدے کو " وحدۃ الشہود " کہا جاتا ہے لیکن خالق کو مخلوق سے الگ کرنا ضروری ہے کیونکہ مخلوق کمزور ہے اور اسے فنا لازم ہے جب کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ " حی " اور " قیوم " ہے، اس کے لیے ہمیشہ بقا ہے، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا کوئی الگ حصہ ہے نہ الگ سایہ

ہے اور نہ وہ کسی مخلوق میں عیاں ہوتا ہے، ہر حال میں خالق کو مخلوق سے جدا کرنا ضروری ہے، معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات کسی کے ساتھ نہیں ملانا چاہئے یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ کو بھی نہیں حضرت عیسیٰؑ کو بھی نہیں، نہ کسی فرشتے کو، نہ ماضی میں، نہ حال میں، نہ مستقبل میں، اور کسی بھی شکل میں نہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: " قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (1) اللَّهُ الصَّمَدُ (2) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (3) وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ (4) "سورۃ الاخلاص" آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ ایک (ہی) ہے، اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا، اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے"۔ مطلب یہ ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہہ دو کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اکیلے ہیں" احد في ذاته "

، " احد في اسمائه " اللہ سبحانہ وتعالی اپنے ناموں میں ایک ہے،" احد في صفاته "اللہ سبحانہ وتعالی اپنی تمام صفات میں اکیلا ہے،" احد في اعماله " اپنے تمام کاموں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اکیلا اور تنہا ہے،" احد في عباداته "تمام عبادات میں بھی وہ اکیلا اور تنہا ہے، کسی کو بھی اللہ تعالی کے ساتھ شریک نہیں کیا جا سکتا۔ صرف سورہ اخلاص کی پہلی آیت اچھی طرح سے سمجھ لیں تو ساری زندگی سے شرک ختم ہو جائے گا۔

3۔ اللہ تعالی کی صفات میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالی کی صفت کو اللہ تعالی کے لیے خاص کرنا ہے، اس کی کوئی

بھی صفت   ساری کائنات میں ہم کسی کو بھی نہیں دے سکتے۔

4۔ اللہ تعالی کے کاموں میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے کہ جیسے بارش برسانا اللہ تعالی کا کام ہے، مصیبت لانا کس کا کام ہے؟ اللہ تعالی کا کام ہے۔۔! مصیبت سے باہر نکالنا کس کا کام ہے؟ اللہ تعالی کا۔۔! مریضوں کو شفا دینا کس کا کام ہے؟ اللہ تعالی کا۔۔! ساری کائنات چلانا کس کا کام ہے؟ اللہ تعالی کا۔۔! اب خالق کا یہ اختیار کسی مخلوق کے نام منسوب نہیں کیا جا سکتا، مثلا آپ یہ کہیں کہ فلاں بھی بگڑی بنا دیتا ہے، فلاں داتا ہے، فلاں ہماری مرادیں پوری کر دیتے ہیں، فلاں ہمیں یہ خزانہ دیتے ہیں، فلاں

پیرانِ پیر ہیں، فلاں ہماری مصیبتوں کو دور کر دیتے ہیں، فلاں بہت پہونچے ہوئے ہیں، یہ تمام باتیں ہمیں اللہ تعالی کے ساتھ شرک کی طرف لے جاتی ہیں۔ اللہ تعالی کے کاموں میں کسی کو شریک مت کرو اگر ایسا کرتے ہیں تو شرک ہو جاتا ہے، اس توحید کو "توحید الربوبیۃ" کہتے ہیں، اس کی جامع تعریف یہ ہے کہ "افراد اللہ تعالیٰ فی افعالہ" اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے کاموں میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو اکیلا اور تنہا جاننا، اگر اللہ کے کاموں میں ہم کسی کو شریک کر دیتے ہیں تو اسے کہتے ہیں "شرک فی الربوبیۃ" کیوں کہ آپ نے اللہ کے کاموں میں کسی کو شریک کر دیا ہے۔ اسی طریقہ سے اللہ تعالی کے پاس "

شرک فی الاسماء والصفات " بھی جائز نہیں ہے،" شرک فی الذات" بھی جائز نہیں ہے۔

5۔ اللہ تعالی کے ساتھ کی جانے والی عبادتوں میں کسی کو شریک مت کرو، اس کا کیا مطلب ہے؟ سورہ فاتحہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: " ایاک نعبد وایاک نستعین" ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں"۔ "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں " اس جملہ سے ریاکاری ختم ہو گئی ہے،" اور ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں" اس جملہ سے تکبر ختم ہو گیا ہے، "ایاک نعبد " ہم تیری ہی عبادت کریں گے، مطلب یہ ہے کہ تیرے علاوہ کسی کی بھی عبادت نہیں کریں گے،" اور ہم تجھ ہی سی مدد مانگیں گے" کا مطلب

یہ ہے کہ تیرے علاوہ کسی اور سے مدد نہیں مانگیں گے۔ اگر ہم یہ آیت اچھی طرح سمجھ جائیں گے تو ہماری زندگیوں سے شرک ختم ہو جائے گا (ان شاء اللہ)۔

لہذا حج کا سب سے پہلا سبق "توحید" ہے۔ "بندہ حج کو آتا ہے اور توحید کی بیج لے جاتا ہے اور اپنے اپنے علاقہ میں اس توحید کی بیج کو زمین میں بوئے گا تو وہاں کے لوگ اس بیج سے توحید کا درخت پائیں گے،" آج ساری دنیا میں مسلمان 2 بلین کی تعداد میں ہیں، الحمد للہ!۔ جب کہ ساری دنیا کی آبادی 7 بلین ہے، اگر ایک ایک مسلمان چار چار غیر مسلموں کو توحید بتلائے گا تو ساری دنیا میں اسلام کا پیغام بڑی آسانی سے پھیل جائے گا، لیکن المیہ یہ ہے کہ خود مسلمان کو ہی توحید نہیں معلوم

ہے تو وہ غیر کو کیا سمجھائے گا؟ آج غیر مسلم یہ سمجھ رہا ہے کہ توحید کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان جو قبروں کے پاس جاکر اپنی اپنی حاجات رکھتے ہیں یہی مسلمانوں کا عقیدہ اور ان کی توحید ہے، ہم خود آج دنیا کو اسلام کا صحیح تعارف نہیں دے رہے ہیں، اللہ ہماری حفاظت فرمائے، آمین۔

2: دوسرا سبق: محمد ﷺ کی عظمت:

حج کرنے یا عمرہ کرنے والا مسلمان جو حج یا عمرہ سے دوسرا سبق سیکھتا ہے وہ ہے " محمد ﷺ کی عظمت "، اگر آپ توحید پر عمل کرنا چاہتے ہیں تو آپ اور ہم اپنی مرضی کے مطابق توحید پر عمل نہیں کر سکتے، جس منہج اور

طریقے کی محمد ﷺ نے ہمیں تعلیم دی ہے، اور جس کی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہمارے لیے تفہیم کی ہے اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پر عمل کر کے بتلایا ہے اسی طریقے کے مطابق ہمیں بھی توحید سمجھنا اور اس پر عمل کرنا چاہیئے، نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقہ پر اگر ہم توحید اور اسلام کو Follow کریں گے تو ہماری نجات ہے ورنہ نہیں ہے کیوں کہ ہمارا کلمہ کیا ہے؟ ہمارا کلمہ ہے " لا الہ الا اللہ " اور اس کے ساتھ " محمد رسول اللہ " ، مطلب یہ ہے کہ "لا الہ الا اللہ" اس وقت تک مکمل نہیں جب تک " محمد رسول اللہ "نہ ہو۔۔۔اس کی ادنی سی مثال ملاحظہ فرمائیں کہ کوئی شخص اللہ تعالی

سے یہ دعا کر رہا ہے کہ اے اللہ تعالی! میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں اور دل وجان سے آپ کو چاہتا ہوں تو اے اللہ تعالی! مجھ سے بھی تو محبت کر اور تیرے محبوب بندوں میں میرا شمار کر، تو اللہ تعالی کہتا ہے کہ ہر چیز کے لیے کچھ نہ کچھ کنڈیشن ہوتی ہیں (اگر دنیا میں کوئی بھی معاملہ داری کرتے ہیں تو آپ کہتے ہیں کہ بھائی! میری کچھ شرطیں ہیں) تو اللہ تعالی کی کنڈیشن یہ ہیں کہ اگر تم میری محبت حاصل کرنا چاہتے تو محمد ﷺ کی سچے دل سے اتباع کرو، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: " قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (آل عمران: 31)" "کہہ دیجئے! اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تعالیٰ تم سے

محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرما دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا مہربان ہے"

اگر یہی سوال مسلمانوں سے کیا جائے کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں؟ تو فوراً جواب آئے گا کہ کیوں نہیں، بالکل، اگر ایسا نہ ہو تو پھر ہم مسلمان کیسے ہوئے؟ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ تم مجھے چاہتے ہو تو صرف زبانی دعووں سے کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ کفارِ قریش نے بھی بہت سارے جھوٹے دعوے کیے، اس کی ایک مثال ابوجہل ہے، اس نے کعبہ کے غلاف کو پکڑ کر زور سے کہا: " اے اللہ! میں اور محمد ﷺ میں سے جو جھوٹا ہے تو فیصلہ فرما دے، اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا اور جنگِ بدر میں ابوجہل مارا گیا)۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ ہے تو اس دعوائے محبت کی سچائی کا پتہ چلنا چاہیے اور اس کو پرکھنے کی ایک ہی کسوٹی ہے کہ اگر تم اپنی زندگی محمد ﷺ کی تعلیمات کے مطابق گذار دو تو تمہیں میری محبت مل جائے گی، جیسے کہ تمہارے خاندان میں شادی ہو رہی ہو یا پھر تمہارے گھر کوئی جنازہ ہو یا پھر عقیدہ کا مسئلہ ہو یا پھر آپ نماز پڑھنا چاہ رہے ہو یا پھر روزہ رکھنا چاہ رہے ہو تو پھر محمد ﷺ کی تعلیمات کو سارے شعبوں میں جاری کر دو، اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو تمہارا پروف مل جائے گا اور ان شاء اللہ جنت ملے گی۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ کیا کہہ رہے ہیں؟ ذرا غور کریں!

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید کے اندر جا بجا اس حکم کا

اعلان فرمایا ہے کہ " اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول " یعنی صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی پیروی بھی اشد ضروری ہے، کیوں کہ ہم نے حج میں کیا سبق سیکھا؟ جب نبی اکرم ﷺ حج فرما رہے تھے تو بار بار یہ کہہ رہے تھے " يا أَيُّها الناسُ خُذُوا عَنِّي مناسكَكم ، فإني لا أَدْرِي لَعَلِّي لا أَحُجُّ بعد عامي هذا " " (صحيح الجامع: 7882)" "

اے لوگو! مجھ سے حج کے مناسک سیکھ لو! کیونکہ مجھے نہیں معلوم اس سال کے بعد شاید میں حج نہ کر پاؤں"۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس وقت ایک ایک چیز نوٹ کرلی اور یہی حدیث امام مسلم رحمہ اللہ کی کتاب صحیح مسلم میں جو بڑی کتب احادیث میں سے ایک شمار ہوتی ہے، اس میں حج کا تفصیلی واقعہ بیان

کیا گیا ہے، ان تمام احادیث کو امام البانی رحمہ اللہ نے ایک جگہ جمع کیا تو ایک مستقل کتاب بن گئ، اس میں بہت تفصیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ کیسا بیٹھے؟ کیسا چلے؟ کہاں کہاں گئے؟ وغیرہ، لوگوں نے ایک ایک چیز فالو کی۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ حج کرنے کے لیے جارہے تھے اچانک ایک جگہ پر رک گئے اور ہاتھ سے کسی چیز کو ہٹانے یا بھگانے کا اشارہ کیا تو لوگوں نے پوچھا کہ یہاں نہ کوئی مکھی ہے اور نہ کوئی مچھر تو آپ نے ایسا کیوں کیا؟ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ محمد ﷺ یہاں سے گذرے تو مّکھی نے کچھ حرکت کی تھی اور نبی اکرم

ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا تھا لہذا میں نے چاہا کہ میں یہاں سے گذروں اور اپنے پیارے نبی اکرم ﷺ کی سنت بھی ادا کروں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اتنی حد تک اتباع رسول ﷺ کرنے کی کوشش کی۔ سبحان اللہ!۔۔۔ لیکن آج ہماری حالت دیکھ لیجئے! کیا ہماری نماز محمد ﷺ کے طریقہ پر ہے؟ ایک کام کیجئے کہ کسی کے بھی پاس مت جایئے، جاکر صحیح بخاری کھول لیجئے جہاں رفع الیدین کا بیان ہے اور آپ اپنی نماز کو دیکھ لیں کہ میں رفع الیدین کر رہا ہوں کہ نہیں کر رہا ہوں؟ صحیح ابن خزیمہ کھول لیجئے کہ وہاں آپ کو ملے گا "سینے پر ہاتھ باندھنے کا بیان" اور آپ اپنی نماز دیکھ لیجئے کہ میں سینے پر ہاتھ باندھ رہا ہوں یا نہیں؟ اسی طریقہ

سے میں آمین بالجہر کہہ رہا ہوں یا نہیں؟ میں نماز ہی نبی اکرم ﷺ کے طریقہ پر نہیں پڑھ رہا ہوں جو اسلام کا دوسرا اہم رکن ہے تو باقی کی زندگی میں نبی اکرم ﷺ کی سنتوں کو کیسے اپنا سکتا ہوں؟

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ مجھ سے محبت کا ثبوت صرف زبان سے مت دو بلکہ میرے حبیب ﷺ کی اتباع کر کے مجھ سے محبت کا ثبوت دو۔ مثلاً آپ ٹیلر (درزی) کے پاس جا کر کہتے ہیں کہ "بھائی! یہ جو ٹوپی ہے نا! ایسی ہی ایک ٹوپی مجھے بنا کر دو، ذرا بھی کمی بیشی نہیں ہونی چاہیے"، آپ اس درزی کو ایک نمونہ دے کر چلے آتے ہیں پھر جب دوسرے دن جاتے ہیں تو اس درزی نے اگر آپ کے نمونہ کے مطابق ٹوپی نہ

بنائی ہو بلکہ دوسری ٹوپی بنائی ہو اور کہا ہو کہ "صاحب! یہ ٹوپی آپ کے نمونہ سے بھی بہت اچھی ہے"، تو آپ اس سے کہیں گے کہ "میں نے تجھے نمونہ دیا تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ تو اس سے ہَٹ کر دوسری ٹوپی نہیں بنا سکتا" آپ اس کو اس کی اجرت دینے کی بجائے اس سے مزید کپڑے کے پیسے وصول کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح نبی اکرم ﷺ کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ساری دنیا کے لیے نمونہ بنا کر بھیجا ہے، ہماری ہر چیز نبی اکرم ﷺ کے طریقہ کے مطابق ہونی چاہئے ہماری نمازیں ہماری توحید، ہماری معاملہ داری، ہمارے اخلاق، ہمارے جنازے اور ہماری اولاد کی شادیاں وغیرہ، ان تمام کے بارے میں سب کچھ بتلا کر نبی اکرم ﷺ اس دنیا سے

رخصت ہو چکے ہیں، لیکن آج کوئی یہ کہے کہ ہم ایسا عمل نہیں کریں گے بلکہ آج کے زمانہ کے حساب سے یہ بھی کرنا اچھا ہے اور وہ اپنی طرف سے کسی نئے کام کا اضافہ کرتا ہے تو کیا اللہ سبحانہ و تعالیٰ اسے پسند کریں گے؟ ہرگز نہیں!۔ ہم ایک معمولی ٹیلر کو بخشتے نہیں ہیں تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں کیسے بخشے گا؟ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "لقد کان لکم في رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"" یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے،". اللہ تعالی گویا کہہ رہے کہ اگر تم نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کے مطابق ساری زندگی گذاروگے جیسے اپنا عقیدہ، اپنے معاملات اور اپنے اخلاق وغیرہ ہر چیز میں تم میرے نبی ﷺ کو فالو کروگے تو میں تمہارے اعمال

قبول کروں گا، تمہیں پسند کروں گا اور تمہاری مغفرت کروں گا، ورنہ اگر ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہیں کریں گے تو اللہ تعالی کی محبت ہمیں نہیں ملے گی، نہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مغفرت ملے گی۔ حج سے حاصل ہونے والے یہ دو سبق اگر لوگ اچھی طرح سمجھ جائیں تو کافی ہے اور بھی بہت سارے اسباق ہمیں حج اور مناسک حج سے معلوم ہوتے ہیں۔

صرف حجۃ الوداع کو سامنے رکھا جائے تو ساری انسانیت کی فلاح و بہود ہو جائے گی، آج دنیا میں کیا چل رہا ہے؟ صرف امن کا نام لے کر لوگ حکومتیں قائم کر رہے ہیں اور بنیادی حقوق Human Rights کے نام پر بڑی بڑی Organizations قائم کی جا رہی ہیں، ان تمام

آوازوں کی شروعات کس نے کی؟ اگر تاریخ کھنگالی
جائے تو اس کی شروعات کرنے والے ہمارے نبی اکرم
ﷺ ہیں، حجۃ الوادع کے موقع پر جو باتیں آپ صلی
اللہ علیہ وسلم نے کہی ہیں اور جن اصولوں کو آپ نے
مقرر کیا ہے آج دنیا میں بتلائے جانے والے سارے
کے سارے حقوق اس میں آگئے ہیں، بہت سارے
اسباق اس واقعہ میں بھی ہیں، کبھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ موقع
دے تو تفصیل سے بتلاؤں گا، ان شاء اللہ!۔

مختصر طور پر آپ حج سے حاصل ہونے والے صرف دو
اسباق یاد رکھیں 1۔ اللہ کی توحید 2۔ اتباع رسول، عمل
قبول ہونے کے لیے بنیادی طور پر یہی دو شرطیں
ہیں۔ اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❊ ❊ ❊